آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے — لو تمھیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اوّل — بابت مارچ سنہ ۱۹۰۲ء — نمبر ۳

فہرست مضامین

انجمن اشاعۃ اسلام قادیان نے اخبار الحکم و تفسیر القرآن کے کارخانہ انوار احمدیہ پریس میں شیخ یعقوب علی تراب احمدی مالک و مہتمم کارخانہ مذکور کے اہتمام میں چھپوا کر شائع کیا

دوسری مرتبہ فروری سنہ ۱۹۰۳ء ۔ چندہ سالانہ مع محصول ڈاک سنہ ۱۹۰۳ء کیلیے ولایتی کاغذ پر ہے معمولی کاغذ پر عا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام

اس عنوان کے نیچے ہم اس عظیم الشان مضمون کو درج کرینگے جو حضرت میرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کیطرف سے جلسہ اعظم مذاہب پر جو دسمبر ۱۸۹۶ء مین منعقد ہوا تھا پڑھا گیا۔ اس کانفرنس کے محرکون کیطرف سے مفصلہ ذیل پانچ سوال اس غرض کے لئے شائع ہوئے تھے کہ مختلف مذاہب کے علماء ان کے جوابات اپنے اپنے مذہب کے روسے اس جلسہ مین پیش کرین۔

(۱) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتین۔

(۲) انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبے۔

(۳) دنیا مین انسان کی ہستی کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب۔

(۴) کرم یعنے اعمال کا اثر دنیا و عاقبت مین۔

(۵) علم یعنے گیان اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علے رسولہ الکریم

آج اس جلسہ مبارک مین جسکی غرض یہ ہے کہ ہر ایک صاحب جو بلائے گئے ہین سوالات مشتہرہ کی پابندی سے اپنے اپنے مذہب کی خوبیان بیان فرماوین۔ میں اسلام کی خوبیان بیان کرونگا اور اس سے پہلے کہ مین اپنے مطلب کو شروع کرون اسقدر ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہون کہ مینے اسبات کا التزام کیا ہے کہ جو کچھہ بیان کرون خدا تعالی کی پاک کلام قرآن شریف سے بیان

کرون کیونکہ میرے نزدیک یہ بہت ضروری ہے کہ ہر ایک شخص جو کسی کتاب کا پابند ہو اور اس کتاب کو ربانی کتاب سمجھتا ہو وہ ہر ایک بات مین اسی کتاب کے حوالہ سے جواب دے اور اپنی وکالت کے اختیارات کو ایسا وسیع نہ کرے کہ گویا وہ ایک نئی کتاب بنا رہا ہے سو چونکہ آج ہمین قرآن شریف کی خوبیون کو ثابت کرنا ہے اور اسکے کمالات کو دکھلانا ہے اسلئے مناسب ہے کہ ہم کسی بات مین اسکے اپنے بیان سے باہر نہ جائین اور اسی کے اشارہ یا تصریح کے موافق اور اسی کی آیات کے حوالہ سے ہر ایک مقصد کو تحریر کرین تا ناظرین کو موازنہ اور مقابلہ کرنے کیلئے آسانی ہو اور چونکہ ہر ایک صاحب جو پابند کتاب ہین اپنی اپنی الہامی کتاب کے بیان کے پابند ہین گے اور اسی کتاب کے اقوال پیش کرینگے اسلئے ہمنے اس جگہ احادیث کے بیان کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ تمام صحیح حدیثین قرآن شریف سے ہی لی گئی ہین اور وہ کامل کتاب ہے جس پر تمام کتابون کا خاتمہ ہے۔ غرض آج قرآن شریف کی شان ظاہر ہونیکا دن ہے اور ہم خدا سے دعا مانگتے ہین کہ وہ اس کام مین ہمارا مددگار ہو آمین

سوال اول کا جواب

معزز ناظرین کو خیال رہے کہ اس مضمون کے ابتدائی صفحون مین بعض تمہیدی عبارتین ہین جو بظاہر غیر متعلق معلوم دیتی ہین مگر اصل جوابات کے سمجھنے کیلئے پہلے انکا سمجھنا نہایت ضروری ہے اس لئے صفائی بیان کیلئے قبل از شروع مطلب ان عبارتون کو لکھا گیا کہ تا اصل مطلب سمجھنے مین دقّت نہ ہو۔

اب واضح ہو کہ پہلا سوال انسان کی طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتون کے بارے مین ہے سو جاننا چاہئے کہ خدا تعالی کے پاک کلام قرآن شریف نے ان تین حالتون کی اس طرح پر تقسیم کی ہے کہ ان تینون کے لئے علیحدہ علیحدہ تین مبدء ٹھہرائے ہین یا یون کہو کہ تین سرچشمے قرار دیئے ہین جن مین سے جدا جدا یہ حالتین نکلتی ہین۔

پہلا سرچشمہ جو تمام طبعی حالتون کا مورد اور مصدر رہے اسکا نام قرآن شریف نے نفس امّارہ

نفس امّارہ

رکہا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ یعنے نفس امّارہ مین یہ خاصیت
ہے کہ وہ انسان کو بدی کیطرف جو اسکے کمال کے مخالف اور اسکی اخلاقی حالتون کے برعکس ہے
جہکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بدراہون پر چلانا چاہتا ہے غرض بے اعتدالیون اور بدیون
کی طرف جانا انسان کی ایک حالت ہے جو اخلاقی حالت سے پہلے اسپر طبعاً غالب ہوتی ہے
اور یہ حالت اسوقت تک طبعی حالت کہلاتی ہے جبتک کہ انسان عقل اور معرفت کے
زیر سایہ نہین چلتا بلکہ چارپائون کیطرح کہانے پینے سونے جاگنے یا غصہ اور جوش دکہلانے
وغیرہ امور مین طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے
طبعی حالتون مین تصرف کرتا اور اعتدال مطلوب کی رعایت رکہتا ہے اس وقت ان تینون
حالتون کا نام طبعی حالتین نہین رہتا بلکہ اس وقت یہ حالتین اخلاقی حالتین کہلاتی ہین جیسا کہ
آگے بہی کچہہ ذکر اسکا آئیگا۔

نفس لوّامہ

اور اخلاقی حالتون کے سرچشمہ کا نام قرآن شریف مین نفس لوّامہ ہے جیسا کہ قرآن
شریف فرماتا ہے وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ یعنے مین اس نفس کی قسم کہاتا ہون جو بدی
کے کام اور ہر ایک بے اعتدالی پر اپنے تئین ملامت کرتا ہے یہ نفس لوّامہ انسانی حالتون کا دوسرا سرچشمہ
ہے جس سے اخلاقی حالتین پیدا ہوتی ہین اور اس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات کی مشابہت سے
نجات پاتا ہے اور اس جگہ نفس لوّامہ کی قسم کہانا اس کو عزّت دینے کے لئے ہے گویا وہ نفس امّارہ
سے نفس لوّامہ بنکر بوجہ اس ترقی کے جناب الٰہی مین عزّت پانے کے لائق ہو گیا اور اسکا نام لوّامہ
اسلئے رکہا کہ وہ انسان کو بدی پر ملامت کرتا ہے اور اس بات پر راضی نہین ہوتا کہ انسان اپنے
طبعی لوازم مین شتر بے مہار کیطرح چلے اور چارپائونکی سی زندگی بسر کرے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے
اچہی حالتین اور اچہے اخلاق صادر ہون اور انسانی زندگی کے تمام لوازم مین کوئی بے اعتدالی
ظہور مین نہ آوے اور طبعی جذبات اور طبعی خواہشین عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہون۔ پس
چونکہ وہ بری حرکت پر ملامت کرتا ہے اسلئے اسکا نام نفس لوّامہ ہے یعنی بہت ملامت کرنی
والا۔ اور نفس لوّامہ اگرچہ طبعی جذبات پسند نہین کرتا بلکہ اپنے تئین ملامت کرتا رہتا ہے لیکن نیکیون

کے بجالانے پر پورے طور سے قادر ہی نہین ہو سکتا اور کبہی نہ کبہی طبعی جذبات اسپر غلبہ کر جاتے ہین تب گر جاتا ہے اور ٹہوکر کہاتا ہے گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے جو گرنا نہین چاہتا ہے مگر کمزوری کیوجہ سے گرتا ہے ـ پہر اپنی کمزوری پر نادم ہوتا ہے ـ غرض یہ نفس کی وہ اخلاقی حالت ہے جب نفس اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا ہے اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے مگر پورے طور پر غالب نہین آسکتا ـ

نفس مطمئنہ

پہر ایک تیسرا چشمہ ہے جسکو روحانی حالتون کا مبدء کہنا چاہئے اس سرچشمہ کا نام قرآن شریف نے نفس مطمئنہ رکہا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے ـ یاایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ۰ یعنے اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پا گیا اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ ـ تو اس سے راضی اور وہ تجہہ سے راضی پس میرے بندون مین مل جا اور میرے بہشت کے اندر آجا ـ یہ وہ مرتبہ ہے جسمین نفس تمام کمزوریون سے نجات پا کر روحانی قوتون سے بہر جاتا ہے اور خدا تعالی سے ایسا پیوند کر لیتا ہے کہ بغیر اسکے جی ہی نہین سکتا اور جس طرح پانی اوپر سے نیچے کیطرف بہتا اور بسبب اپنی کثرت کے اور نیز روکون کے دور ہونیسے بڑے زور سے چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے ـ اسی کیطرف اشارہ ہے جو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اے وہ نفس جو خدا سے آرام پا گیا اسی کیطرف واپس چلا آ ـ پس وہ اسی زندگی مین نہ موت کے بعد ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا کرتا ہے اور اسی دنیا مین نہ دوسری جگہ ایک بہشت اسکو ملتا ہے اور جیسا کہ اس آیت میں لکہا ہے کہ اپنے رب کیطرف یعنے پرورش کرنیوالے کیطرف واپس آ ایسا ہی اس وقت یہ خدا سے پرورش پاتا ہے اور خدا کی محبت اسکی غذا ہوتی ہے اور اسی زندگی بخش چشمہ سے پانی پیتا ہے اسلئے موت سے نجات پاتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالی قرآن شریف مین فرماتا ہے قد افلح من زکٰہا وقد خاب من دسّٰہا ۰ یعنے جسنے ارضی جذبات سے اپنے نفس کو پاک کیا وہ بچ گیا اور ہلاک نہین ہوگا مگر جس نے ارضی جذبات مین جو طبعی جذبات ہین اپنے تئین چھپا دیا وہ زندگی سے نا امید ہو گیا ـ

غرض یہ تینون حالتین ہین جنکو دوسرے لفظون مین طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتین کہہ سکتے

ہیں اور چونکہ طبعی تقاضے افراط کے وقت بہت خطرناک ہو جاتے ہین اور بسا اوقات اخلاق اور روحانیت کا ستیاناس کر دیتے ہین اسلئے خدا تعالٰی کی پاک کتاب مین ان کو نفس امارہ کی حالتون سے موسوم کیا گیا۔ اگر یہ سوال ہو کہ انسان کی طبعی حالتون پر قرآن شریف کا کیا اثر ہے اور وہ انکی نسبت کیا ہدائت دیتا ہے اور عملی طور پر کس حد تک اُن کو رکہنا چاہتا ہے تو واضح ہو کہ قرآن شریف کے روسے انسان کی طبعی حالتون کو اسکی اخلاقی اور روحانی حالتون سے نہائت ہی شدید تعلقات واقع ہین یہان تک کہ انسان کے کہانے پینے کے طریقے بہی انسان کے اخلاقی اور روحانی حالتون پر اثر کرتے ہین اور اگر ان طبعی حالتون سے شریعت کی ہدایت کے موافق کام لیا جائے تو جیسا کہ نمک کی کان مین پڑکر ہر ایک چیز نمک ہی ہو جاتی ہے ایسا ہی یہ تمام حالتین اخلاقی ہی ہو جاتی ہین اور روحانیت پر نہائت گہرا اثر کرتی ہین اسی واسطے قرآن شریف نے تمام عبادات اور اندرونی پاکیزگی کے اغراض اور خشوع خضوع کے مقاصد مین جسمانی طہارتون اور جسمانی اداب اور جسمانی تعدیل کو بہت ملحوظ رکہا ہے اور غور کرنیکے وقت یہی فلاسفی نہائت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جسمانی اوضاع کا روح پر بہت قوی اثر ہے جیسا کہ ہم دیکہتے ہین کہ ہمارے طبعی افعال گو بظاہر جسمانی ہین مگر ہماری روحانی حالتون پر ضرور ان کا اثر ہے مثلاً جب ہماری انکہین رونا شروع کرین اور گو تکلف سے ہی روین مگر فی الفور ان آنسوؤن کا ایک شعلہ اُٹھ کر دل پر جا پڑتا ہے تب دل بہی آنکہون کی پیروی کر کے غمگین ہو جاتا ہے ایسا ہی جب ہم تکلف سے ہنسنا شروع کرین تو دل مین بہی ایک انبساط پیدا ہو جاتا ہے یہ بہی دیکہا جاتا ہے کہ جسمانی سجدہ بہی روح مین خشوع اور عاجزی کی حالت پیدا کرتا ہے اسکے مقابل پر ہم یہ بہی دیکہتے ہین کہ جب ہم گردن کو اونچی کہینچکر اور چہاتی کو اُبہار کر چلین تو یہہ وضع رفتار ہم مین ایک قسم کا تکبر اور خود بینی پیدا کرتی ہے تو ان نمونون سے پورے انکشاف کے ساتہ کہلجاتا ہے کہ بیشک جسمانی اوضاع کا روحانی حالتون پر اثر ہے۔

ایسا ہی تجربہ ہم پر ظاہر کرتا ہے کہ طرح طرح کی غذاؤن کا بہی دماغی اور دلی قوتون پر ضرور اثر ہے۔ مثلاً ذرہ غور سے دیکہنا چاہئے کہ جو لوگ کبہی گوشت نہین کہاتے رفتہ رفتہ انکی شجاعت کی

قوت کم ہوتی جاتی ہے یہانتک کہ نہایت دل کے کمزور ہو جاتے ہین اور ایک خداداد اور قابل تعریف قوت کو کہو بیٹھتے ہین اس کی شہادت خدا کے قانون قدرت سے اس طرح پر بھی ملتی ہے کہ چارپاؤن مین سے جس قدر گہاس خور جانور ہین کوئی بہی ان مین سے وہ شجاعت نہین رکھتا جو ایک گوشت خوار جانور رکھتا ہے۔ پرندون مین بہی یہی بات مشاہدہ ہوتی ہے پس اسمین کیا شک ہے کہ اخلاق پر غذاؤن کا اثر ہے۔ ہان جو لوگ دن رات گوشت خوری پر زور دیتے ہین اور نباتی غذاؤن سے بہت ہی کم حصہ رکھتے ہین وہ بہی حلم اور انکسار کے خلق مین کم ہو جاتے ہین اور میانہ روش کو اختیار کرنیوالے دونون خلق کے وارث ہوتے ہین اسی حکمت کے لحاظ سے خدا تعالی قرآن شریف مین فرماتا ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنے گوشت بہی کہاؤ اور دوسری چیزین بہی کہاؤ۔ مگر کسی چیز کی حد سے زیادہ کثرت نہ کرو تا اسکا اخلاقی حالت پر بد اثر نہ پڑے اور تا یہ کثرت مضر صحت بہی نہ ہو اور جیسا کہ جسمانی افعال اور اعمال کا روح پر اثر پڑتا ہے ایسا ہی کبہی روح کا اثر بہی جسم پر جا پڑتا ہے جس شخص کو کوئی غم پہنچے آخر وہ چشم پر آب ہو جاتا ہے اور جسکو خوشی ہو آخر وہ تبسم کرتا ہے جس قدر ہمارا کہانا پینا سونا جاگنا حرکت کرنا۔ آرام کرنا غسل کرنا وغیرہ افعال طبعیہ ہین۔ یہ تمام افعال ضروری ہماری روحانی حالات پر اثر کرتے ہین ہماری جسمانی بناوٹ کا ہماری انسانیت سے بڑا تعلق ہے۔ دماغ کے ایک مقام پر چوٹ لگنے سے یکلخت حافظہ جاتا رہتا ہی اور دوسرے مقام پر چوٹ لگنے سے ہوش وحواس رخصت ہوتے ہین۔ وبا کی ایک زہریلی ہوا کسقدر جلدی سے جسم مین اثر کر کے پہر دل مین اثر کرتی ہے اور دیکھتے دیکھتے وہ اندرونی سلسلہ جسکے ساتہہ تمام نظام اخلاق کا ہے درہم برہم ہونے لگتا ہے یہان تک کہ انسان دیوانہ سا ہو کر چند منٹ مین گذر جاتا ہے۔ غرض جسمانی صدمات بہی عجیب نظارہ دکہاتے ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روح اور جسم کا ایک ایسا تعلق ہے کہ اس راز کو کہولنا انسان کا کام نہین۔ اس سے زیادہ اس تعلق کے ثبوت پر یہ دلیل ہے کہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کی مان جسم ہی ہے حاملہ عورتون کے پیٹ مین روح کبہی اوپر سے نہین گرتی بلکہ وہ ایک نور ہے جو نطفہ مین ہی پوشیدہ طور پر مخفی ہوتا ہے اور جسم کے نشوونما کے ساتھ چمکتا جاتا ہے خدا تعالی کا پاک کلام ہمین سمجہاتا ہے کہ روح اس قالب مین سے ہی ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔

جو نطفہ سے رحم مین تیار ہوتا ہے جیسا کہ وہ قرآن شریف مین فرماتا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ یعنے پہر ہم اس جسم کو جو رحم مین تیار ہوا تہا ایک اور پیدائش کے رنگ مین لاتے ہین اور ایک اور خلقت اوسکی ظاہر کرتے ہین جو روح کے نام سے موسوم ہے اور خدا بہت برکتون والا ہے اور ایسا خالق ہے کہ کوئی اُسکے برابر نہین۔

اور یہ جو فرمایا کہ ہم اسی جسم مین سے ایک اور پیدائش ظاہر کرتے ہین یہ ایک گہرا راز ہے جو روح کی حقیقت دکہلا رہا ہے اور ان نہایت مستحکم تعلقات کیطرف اشارہ کر رہا ہے جو روح اور جسم کے درمیان واقع ہین۔ اور یہ اشارہ ہمین اس بات کی بہی تعلیم دیتا ہے کہ انسان کے جسمانی اعمال اور اقوال بتمام طبعی افعال جب خدا تعالی کیلئے اور اسکی راہ مین ظاہر ہونے شروع ہون تو ان سے بہی یہی الٰہی فلاسفی متعلق ہے یعنی ان مخلصانہ اعمال مین بہی ابتدا ہی سے ایک روح مخفی ہوتی ہے جیسا کہ نطفہ مین مخفی تہی۔ اور جیسے جیسے ان اعمال کا قالب تیار ہوتا جاتا ہے وہ روح چمکتی جاتی ہے اور جب وہ قالب پورا تیار ہو چکتا ہے تو یکدفعہ وہ روح اپنی کامل تجلی کے ساتہ چمک اُٹھتی ہے اور اپنی روحی حیثیت سے اپنے وجود کو دکہا دیتی ہے اور زندگی کی صریح حرکت شروع ہو جاتی ہے جبہی کہ اعمال کا پورا قالب تیار ہو جاتا ہے معًا بجلی کیطرح ایک چیز اندر سے اپنی کہلی کہلی چمک دکہلانا شروع کر دیتی ہے یہ وہی زمانہ ہوتا ہے جسکی نسبت اللہ تعالی قرآن شریف مین مثالی طور سے فرماتا ہے فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ یعنے جب مینے اوسکا قالب بنا لیا اور تجلیات کے تمام مظاہر درست کر لئے اور اپنی روح اوسمین پہونک دی تو تم سب لوگ اسکے لئے زمین پر سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤ۔ سو اس آیت مین یہی اشارہ ہے کہ جب اعمال کا پورا قالب تیار ہو جاتا ہے تو اس قالب مین وہ روح چمک اُٹھتی ہے جسکو خدا تعالی اپنی ذات کیطرف منسوب کرتا ہے کیونکہ دنیوی زندگی کی فنا کے بعد وہ قالب تیار ہوتا ہے اسلئے الٰہی روشنی جو پہلے دہیمی تہی یکدفعہ بہڑک اُٹھتی ہے اور واجب ہوتا ہے کہ خدا کی ایسی شان کو دیکہ کر ہر ایک سجدہ کرے اور اسکی طرف کہینچا جائے سو ہر ایک اس نور کو دیکہ کر سجدہ کرتا ہے اور طبعًا اس طرف آتا ہے بجز ابلیس کے جو تاریکی سے دوستی رکہتا ہے۔

پہر مین یہی بات کیطرف رجوع کر کے بیان کرتا ہون کہ یہ بات نہایت درست اور صحیح ہے کہ روح ایک لطیف نور ہے جو اس جسم کے اندر ہی سے پیدا ہوجاتا ہے جو رحم مین پرورش پاتا ہے پیدا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اول مخفی اور غیر محسوس ہوتا ہے پہر نمایان ہوجاتا ہے اور ابتدا سے اسکا تمیر نطفہ مین موجود ہوتا ہے بیشک وہ آسمانی خدا کے ارادے اور اسکے اذن اور اسکی مشیت سے ایک مجہول الکنہ علاقہ کے ساتہہ نطفہ سے تعلق رکہتا ہے اور نطفہ کا وہ ایک روشن اور نورانی جوہر ہے نہین کہہ سکتے کہ وہ نطفہ کی ایسی جز ہے جیساکہ جسم جسم کی جز ہوتا ہے مگر یہ بہی نہین کہہ سکتے کہ وہ باہر سے آتا ہے یا زمین پر گرکر نطفہ کے مادہ سے آمیزش پاتا ہے بلکہ وہ ایسا نطفہ مین مخفی ہوتا ہے جیساکہ آگ پتہر کے اندر ہوتی ہے خدا کی کتاب کا یہ منشاء نہین ہے کہ روح الگ طور پر آسمان سے نازل ہوتی ہے یا فضا سے زمین پر گرتی ہے اور پہر کسی اتفاق سے نطفہ کے ساتہہ ملکر رحم کے اندر چلی جاتی ہے بلکہ یہہ خیال کسیطرح صحیح نہین ٹہر سکتا اگر ہم ایسا خیال کرین تو قانون قدرت ہمین باطل پر ٹہراتا ہے ہم روز مشاہدہ کرتے ہین کہ گندے اور باسی کہانون مین اور گندے زخمون مین ہزارہا کیڑے پڑجاتے ہین میلے کپڑون مین صدہا جوئین پڑجاتی ہین انسان کے پیٹ کے اندر بہی کدو دانے وغیرہ پیدا ہوجاتے ہین۔ اب کیا ہم کہہ سکتے ہین کہ وہ باہر سے آتے ہین یا آسمان سے اترتے کسی کو دکہائی دیتے ہین۔ سو صحیح بات یہ ہے کہ روح جسم مین سے ہی نکلتی ہے اور اسی دلیل سے اسکا مخلوق ہونا بہی ثابت ہوتا ہے۔

اب اس وقت ہمارا مطلب اس بیان سے یہ ہے کہ جس قادر مطلق نے روح کو قدرت کاملہ کے ساتہہ جسم مین سے ہی نکالا ہے اسکا یہی ارادہ معلوم ہوتا ہے کہ روح کی دوسری پیدائش کو بہی جسم کے ذریعہ سے ہی ظہور مین لاوے۔ روح کی حرکتین ہمارے جسم کی حرکتون پر موقوف ہین جس طرف ہم جسم کو کہینچتے ہین روح بھی بالضرور پیچہے پیچہے کہنچی چلی آتی ہے اس لئے انسان کی طبعی حالتون کیطرف متوجہ ہونا خدا تعالی کی سچی کتاب کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے انسان کی طبعی حالتون کی اصلاح کیلئے بہت توجہ فرمائی ہے اور انسان کا ہنسنا۔ رونا۔ کہانا۔ پینا۔ سونا۔ بولنا۔ چپ ہونا۔ بیوی کرنا۔ مجرد رہنا۔ چلنا۔ ٹہرنا اور ظاہری پاکیزگی غسل وغیرہ کی

شرائط بجالانا اور بیماری کی حالت اور صحت کی حالتین خاص خاص امور کا پابند ہونا ان سب
باتون پر بہ اُنتہین لکھی ہین اور انسان کی جسمانی حالتون کو روحانی حالتون پر بہت ہی موثر
قرار دیا ہے۔ اگر ان حالتون کو تفصیل سے لکھا جائے تو مین خیال نہین کرسکتا کہ اس مضمون کے
سنانے کیلئے کوئی وقت کافی ملسکے ٭

انسانی ترقی کے تین

مین جب خدا کے پاک کلام پر غور کرتا ہون اور دیکھتا ہون کہ کیونکر اس نے اپنی تعلیمون
مین انسان کو اسکی طبعی حالتون کی اصلاح کے قواعد عطا فرماکر پھر آہستہ آہستہ اوپر کیطرف کھینچا ہے
اور اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت پہنچانا چاہا ہے تو مجھے یہ پُرمعرفت قاعدہ یون معلوم ہوتا ہے
کہ اول خدا نے یہ چاہا ہے کہ انسان کو نشست برخاست اور کہانے پینے اور بات چیت اور
تمام اقسام معاشرت کے طریق سکھلا کر اسکو وحشیانہ طریقون سے نجات دیوے اور حیوانات کی
مشابہت سے تمیز کلّی بخش کر ایک ادنےٰ درجہ کی اخلاقی حالت جس کو ادب اور شائستگی کے نام سے
موسوم کرسکتے ہین سکھلاوے پھر انسان کی بیجا عادات کو جنکو دوسرے لفظون مین اخلاقِ
رذیلہ کہہ سکتے ہین اعتدال پر لاوے تا وہ اعتدال پاکر اخلاق فاضلہ کے رنگ مین آجائین مگر
یہ دونون طریقے دراصل ایک ہی ہین کیونکہ طبعی حالتون کی اصلاح کے متعلق ہین صرف اعلیٰ
اور ادنےٰ درجہ کے فرق نے ان کو دو قسم بنا دیا ہے اور اس حکیم مطلق نے اخلاق کے نظام
کو ایسے طور سے پیش کیا ہے کہ جس سے انسان ادنیٰ خلق سے اعلیٰ خلق تک ترقی کرسکے ٭

اعلیٰ مقصد

اور پھر تیسرا مرحلہ ترقیات کا یہ رکھا ہے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کی محبّت اور رضا
مین محو ہوجائے اور سب وجود اسکا خدا کیلئے ہوجائے یہ وہ مرتبہ ہے جس کو یاد دلانیکے لئے
مسلمانون کے دین کا نام اسلام رکھا گیا ہے کیونکہ اسلام اس بات کو کہتے ہین کہ بکلّی خدا کیلئے ہوجانا
اور اپنا کچھہ باقی نہ رکھنا جیسا کہ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے۔ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ
وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ
الْمُسْلِمِيْنَ ٥ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

عن سبیلہ۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم۔ ترجمہ یعنے نجات یافتہ وہ شخص ہے جو اپنے وجود کو خدا کے لئے اور خدا کی راہ مین قربانی کیطرح رکھہ دے اور نہ صرف نیت سے بلکہ نیک کامون سے اپنے صدق کو دکھلاوے جو شخص ایسا کرے اسکا بدلہ خدا کے نزدیک مقرر ہو چکا اور ایسے لوگون پر نہ کچھہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا اُس خدا کے لئے ہے جسکی ربوبیت تمام چیزون پر محیط ہے کوئی چیز اور کوئی شخص اُسکا شریک نہین۔ اور مخلوق کو کسی قسم کی شراکت اسکی ساتھہ نہین۔ مجھے یہی حکم ہے کہ مین ایسا کرون اور اسلام کے مفہوم پر قائم ہونے والا یعنے خدا کی راہ مین اپنے وجود کی قربانی دینے والا سب سے اول مین ہون یہ میری راہ ہے سو آؤ میری راہ اختیار کرو اور اسکے مخالف کوئی راہ اختیار نہ کرو کہ خدا سے دور جا پڑوگے ان کو کہدے کہ اگر خدا سے پیار کرتے ہو تو آؤ میرے پیچھے ہولو اور میری راہ پر چلو تا خدا بہی تمسے پیار کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور وہ تو بخشندہ اور رحیم ہے۔

اب ہم انسان کے ان تین مرحلون کا جدا جدا بیان کرینگے لیکن اول یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ طبعی حالتین جنکا سرچشمہ اور مبدء نفس امارہ ہے خدا تعالی کے پاک کلام کے اشارات کے موافق اخلاقی حالتون سے کوئی الگ چیز نہین ہے کیونکہ خدا کے پاک کلام نے تمام نیچرل قوتون اور جسمانی خواہشون اور تقاضون کو طبعی حالات کی مد مین رکہا ہے اور وہی طبعی حالتین ہین جو بالارادہ ترتیب اور تعدیل اور موقع بینی اور محل پر استعمال کرنیکے بعد اخلاق کا رنگ پکڑ لیتی ہین ایسا ہی اخلاقی حالتین روحانی حالتون سے کوئی الگ باتین نہین ہین بلکہ وہی اخلاقی حالتین ہین جو پورے فنا فی اللہ اور تزکیہ نفس اور پورے انقطاع الی اللہ اور پوری محبت اور پوری محویت اور پوری سکینت اور اطمینان اور پوری موافقت باللہ سے روحانیت کا رنگ پکڑ لیتی ہین طبعی حالتین جب تک اخلاقی رنگ مین نہ آئین کسیطرح انسان کو قابل تعریف نہین بناتین کیونکہ وہ دوسرے حیوانات بلکہ جمادات مین بہی پائی جاتی ہین ایسا ہی مجرد اخلاق کا حاصل کرنا بہی انسان کو روحانی زندگی نہین بخشتا بلکہ ایک شخص خدا تعالی کے وجود سے بہی منکر رہ کر اچھے

طبعی حالتون اور اخلاقی مین مابہ الامتیاز

اخلاق دکھلا سکتا ہے دل کا غریب ہونا یا دل کا حلیم ہونا یا حلیم کا ہونا یا ترک شکر کرنا اور شریر کے
مقابلہ پہ نہ آنا یہ تمام طبعی حالتین ہین اور ایسی باتین ہین جو ایک نا اہل کو بھی حاصل ہو سکتی ہین جو
اصل سرچشمہ نجات سے بے نصیب اور نا آشنا محض ہے اور بہت سے چارپائے غریب ہی ہوتے ہین
اور ہٹنے اور خونریز ہونے سے صلحکاری بھی دکھلاتے ہین سوسٹے پر سوٹا مارنے سے کوئی مقابلہ
نہین کرتے مگر پھر بھی ان کو انسان نہین کہہ سکتے چہ جائیکہ ان خصلتون سے وہ اعلےٰ درجہ کے
انسان بن سکین۔ ایسا ہی بد سے بدعقیدہ والا بلکہ بعض بدکاریون کا مرتکب ان باتون کا پابند
ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ انسان رحم مین اس حد تک پہنچ جائے کہ اگر اسکے اپنے ہی زخم مین کیڑے
پڑین انکو بھی قتل کرنا روا نہ رکھے اور جانداروں کی پاسداری اس قدر کرے کہ جوئین جو سر مین پڑتی
ہین یا وہ کیڑے جو پیٹ اور انتڑیون اور دماغ مین پیدا ہوتے ہین ان کو بھی آزار دینا نہ چاہئے
بلکہ مین قبول کر سکتا ہون کہ کسیکا رحم اس حد تک پہنچے کہ وہ شہد کھانا ترک کر دے کیونکہ وہ بہت سی
جانون کے تلف ہونے اور غریب مکھیون کو انکے استہان سے پراگندہ کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے
اور مین مانتا ہون کہ کوئی مشک سے بھی پرہیز کرے کیونکہ وہ غریب ہرن کا خون ہے اور اس غریب
کو قتل کرنے اور بچون سے جدا کرنے کے بعد میسّر آسکتا ہے ایسا ہی مجھے اس سے بھی انکار نہین کہ
کوئی موتیون کے استعمال کو بھی چھوڑ دے اور ابریشم کو پہننا بھی ترک کرے کیونکہ یہ دونون غریب
کیڑون کے ہلاک کرنے سے ملتے ہین بلکہ مین یہان تک مانتا ہون کہ کوئی شخص دکھ کے وقت جونکون
کے لگانے سے بھی پرہیز کرے اور آپ دکھ اٹھا لے اور غریب جونک کی موت کا خواہان نہ ہو۔ بالآخر
اگر کوئی مانے یا نہ مانے مگر مین مانتا ہون کہ کوئی شخص اسقدر رحم کو کمال کے نقطہ تک پہنچا دے
کہ پانی پینا چھوڑ دے اور اس طرح پانی کے کیڑون کے بچانیکے لیئے اپنے تئین ہلاک کرے۔ مین
یہ سب کچھ قبول کرتا ہون لیکن مین ہرگز قبول نہین کر سکتا کہ یہ تمام طبعی حالتین اخلاق کہلا سکتی ہین
یا صرف انہی سے وہ اندرونی گند دھوئے جا سکتے ہین جن کا وجود خدا کے ملنے کی روک ہے۔ مین
کبھی باور نہین کرونگا کہ اس طرح کا غریب اور بے آزار بننا جسمین بعض چارپائون اور پرندون کا بھی
نمبر بڑھا ہوا ہے اعلیٰ انسانیت کے حصول کا موجب ہو سکتا ہے بلکہ میرے نزدیک یہ قانون قدرت

سے لڑائی ہے اور رضا کے ہماری خلق کے برخلاف اور اس نعمت کو رد کرنا ہے جو قدرت نے ہمکو عطا کی ہے بلکہ وہ روحانیت ہر ایک خلق کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنیکے بعد اور پہر خدا کی راہون مین وفاداری کے ساتھ قدم مارنے سے اور اسی کا ہو جانے سے ملتی ہے جو اسکا ہو جاتا ہے اسکی یہی نشانی ہے کہ وہ اسکے بغیر جی ہی نہیں سکتا - عارف ایک مچھلی ہے جو خدا کے ہاتھ سے ذبح کی گئی اور اسکا پانی خدا کی محبت ہے -

اصلاح کے تین طریق

اب مین پہلے کلام کیطرف رجوع کرتا ہون - مین ابھی ذکر کرچکا ہون کہ انسانی حالتون کے سرچشمے تین ہین یعنے نفس امّارہ [1] - نفس لوّامہ [2] - نفس مطمئنّہ [3] - اور طریق اصلاح کے بھی تین ہین - اول یہ کہ بے تمیز وحشیون کو اس ادنے خلق پر قائم کیا جائے کہ وہ کہانے پینے اور شادی وغیرہ تمدنی امور مین انسانیت کے طریقے پر چلین نہ ننگے پہرین اور نہ کتون کیطرح مردار خوار ہون اور نہ کوئی اور بے تمیزی ظاہر کرین یہ طبعی حالتون کی اصلاحون مین سے ادنی درجہ کی اصلاح ہے یہ اس قسم کی اصلاح ہے کہ اگر مثلاً پورٹ بلیر کے جنگلی آدمیون مین سے کسی آدمی کو انسانیت کے لوازم سکہلانا ہو تو پہلے ادنی ادنی اخلاق انسانیت . . . اور طریق ادب کی ان کو تعلیم دی جائے گی - دوسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جب کوئی ظاہری آداب انسانیّت کے حاصل کرلیوے تو اسکو بڑی بڑے اخلاق انسانیّت کے سکہلائے جائین اور انسانی قویٰ مین جو کچھہ بہرا پڑا ہے ان سب کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنیکی تعلیم دیجائے - تیسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاق فاضلہ سے متصف ہوگئے ہین ایسے خشک زاہدون کو شربت محبت اور وصل کا مزا چکھایا جائے یہ تین اصلاحین ہین جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہین -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اول اصلاح کی ضرورت کیوقت مبعوث ہونا

اور ہمارے سید و مولے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت مین مبعوث ہوئے تہے جبکہ دنیا ہر ایک پہلو سے خراب اور تباہ ہوچکی تہی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ یعنی جنگل بہی بگڑ گئے اور دریا بہی بگڑ گئے یہ اشارہ اس بات کیطرف ہے کہ جو اہلکتاب کہلاتے ہین وہ بہی بگڑ گئے اور جو دوسرے لوگ ہین جنکو الہام کا پانی نہین ملا وہ بہی بگڑ گئے ہین - پس قرآن شریف کا کام دراصل مردون کو زندہ کرنا تہا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

یعنے یہ بات جان لوکہ اب اللہ تعالی سنئے سرے سے زمین کو بعد اس کے مرنیکے زندہ کرنے لگا ہے اس زمانہ مین عرب کا حال نہایت درجہ کی وحشیانہ حالت تک پہنچا ہوا تہا اور کوئی نظام انسانیت کا باقی نہین رہا تہا اور تمام معاصی اُن کی نظر مین فخر کی جگہ تہے ایک ایک شخص صد ہا بیویان کر لیتا تہا۔ حرام کا کہانا ان کے نزدیک ایک شکار تہا ماؤن کے ساتہہ نکاح کرنا حلال سمجہتے تہے اسی واسطے اللہ تعالی کو کہنا پڑا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ یعنی آج ماٴین تمہاری تمپر حرام ہو گئین۔ ایسا ہی وہ مُردار کہاتے تہے۔ آدم خور بہی تہے دُنیا کا کوئی بہی گناہ نہین جو نہین کرتے تہے۔ اکثر معاد کے منکر تہے۔ بہت سے اُن مین سے خدا کے وجود کے بہی قائل نہ تہے۔ لڑکیون کو اپنے ہاتہہ سے قتل کرتے تہے یتیمون کو ہلاک کر کے اُن کا مال کہاتے تہے بظاہر تو انسان تہے مگر عقلین مسلوب تہین نہ حیا تہی نہ شرم تہی نہ غیرت تہی۔ شراب کو پانی کی طرح پیتے تہے۔ جسکا زناکاری مین اول نمبر ہوتا تہا وہی قوم کا رئیس کہلاتا تہا۔ بیعلمی اسقدر تہی کہ ارد گرد کی تمام قومون نے انکا نام امی رکہہ دیا تہا۔ ایسے وقت مین اور ایسی قومون کی اصلاح کے لئے ہمارے سید و مولی نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ مین ظہور فرما ہوئے۔ پس وہ تین قسم کی اصلاحین جنکا ہم ابہی ذکر کر چکے ہین انکا درحقیقت یہی زمانہ تہا۔ پس اسیوجہ سے قرآن شریف دنیا کی تمام ہدایتون کی نسبت اکمل اور اتم ہونیکا دعوے کرتا ہے کیونکہ دُنیا کی اور کتابون کو ان تین قسم کی اصلاحون کا موقع نہین ملا اور قرآن شریف کو ملا اور قرآن شریف کا یہ مقصد تہا کہ حیوانون سے انسان بناوے اور انسان سے با اخلاق انسان بناوے اور با اخلاق انسان سے با خدا انسان بناوے اسی واسطے ان تین امور پر قرآن شریف مشتمل ہے ٭

اور قبل اسکے کہ جو ہم اصلاحات ثلثہ مفصل بیان کرین یہ ذکر کرنا بہی ضروری سمجہتے ہین کہ قرآن شریف مین کوئی ایسی تعلیم نہین جو زبردستی ماننی پڑے بلکہ تمام قرآن کا مقصد صرف اصلاحات ثلثہ ہین اور اسکی تمام تعلیمون کا لب لباب یہی تین اصلاحین ہین اور باقی تمام احکام ان اصلاحون کے لئے بطور وسائل کے ہین اور جس طرح بعض وقت ڈاکٹر کو بہی صحت کے پیدا کرنیکے لئے کبہی چیرنے کبہی مرہم لگانے کی ضرورت پڑتی ہے ایسا ہی قرانی تعلیم نے بہی انسانی ہمدردی کیلئے ان

قرآنی تعلیم کا ماحصل اصلاحات ثلاثہ ہین

> طبعی حالتین تعدیل سے اخلاق مین منتقل ہوجاتی ہین

ہو اور ہم کو اپنے محل پر استعمال کیا ہے اور اسکے تمام معارف یعنی گیان کی باتین اور وصایا اور مسائل کا
اصل مطلب یہ ہے کہ انسانون کو انکی طبعی حالتون سے جو وحشیانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہین اخلاقی
حالتون تک پہونچائے اور پھر اخلاقی حالتون سے روحانیت کے ناپیداکنار دریا تک پہونچاوے
اور پہلے ہم بیان کر چکے ہین کہ طبعی حالات اخلاقی حالات سے کچھ الگ چیز نہین
بلکہ وہی حالات ہین جو تعدیل اور موقع اور محل پر استعمال کرنیسے اور عقل کی تجویز اور مشورہ سے
کام مین لانے سے اخلاقی حالات کا رنگ پکڑ لیتے ہین اور قبل اسکے کہ وہ عقل اور معرفت
کی صلاح اور مشورہ سے صادر ہون گو وہ کیسے ہی اخلاق سے مشابہ ہون درحقیقت اخلاق
نہین ہوتے بلکہ طبیعت کی ایک بے اختیار رفتار ہوتی ہے جیساکہ اگر ایک کتے یا ایک بکری سے
اپنے مالک کے ساتھ محبت اور انکسار ظاہر ہو تو اس کتے کو خلیق نہین کہین گے اور نہ اس بکری
کا نام مہذب الاخلاق رکھین گے۔ اسی طرح ہم ایک بھیڑیئے یا شیر کو انکی درندگی کیوجہ سے
بدخلق نہین کہین گے بلکہ جیساکہ ذکر کیا گیا اخلاقی حالت محل اور سوچ اور وقت شناسی کے
بعد شروع ہوتی ہے اور ایک ایسا انسان جو عقل و تدبیر سے کام نہین لیتا وہ ان شیرخوار
بچون کی طرح ہے جنکے دل اور دماغ پر ہنوز قوت عقلیہ کا سایہ نہین پڑا یا ان دیوانون کیطرح
ہو جو ہر عقل اور دانش کو کھو بیٹھے ہین ظاہر ہے کہ جو شخص بچہ شیرخوار یا دیوانہ ہو وہ ایسی حرکات
بعض اوقات ظاہر کرتا ہے کہ جو اخلاق کے ساتھ مشابہ ہوتی ہین مگر کوئی عقلمند ان کا نام اخلاق
نہیں رکھ سکتا کیونکہ وہ حرکتین تمیز اور موقع بینی کے چشمے سے نہین نکلتین بلکہ وہ طبعی طور پر
تحریکون کے پیش آنے کے وقت صادر ہوتی جاتی ہین جیساکہ انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی
مان کی چھاتیون کیطرف رخ کرتا ہے اور ایک مرغ کا بچہ پیدا ہوتے ہی دانہ چگنے کیلئے دوڑتا
ہے۔ جوک کا بچہ جوک کی عادتین اپنے اندر رکھتا ہے اور سانپ کا بچہ سانپ کی عادتین ظاہر
کرتا ہے اور شیر کا بچہ شیر کی عادتین دکھلاتا ہے۔ بالخصوص انسان کے بچہ کو غور سے دیکھنا چاہیئے
کہ وہ کیسے پیدا ہوتے ہی انسانی عادتین دکھلانا شروع کر دیتا ہے اور پھر جب برس ڈیڑھ
برس کا ہوا تو وہ عادات طبعیہ بہت نمایان ہو جاتی ہین۔ مثلاً پہلے جس طور سے روتا تھا اب

رونا بہ نسبت پہلے کے کسی قدر بلند ہو جاتا ہے ایسا ہی ہنسنا قہقہہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے
اور آنکھوں میں بھی عمداً دیکھنے کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں اور اس عمر میں یہ ایک اور امر
طبعی پیدا ہو جاتا ہے کہ اپنی رضامندی یا نارضامندی حرکات سے ظاہر کرتا ہے اور کسی کو
مارتا اور کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے مگر یہ تمام حرکات دراصل طبعی ہوتی ہیں۔ پس ایسے بچہ کی مانند
ایک وحشی آدمی بھی ہے جسکو انسانی تمیز سے بہت ہی کم حصہ ملا ہے وہ بھی اپنے ہر ایک قول
اور فعل اور حرکت اور سکون میں طبعی حرکات ہی دکھلاتا ہے اور اپنی طبیعت کے جذبات کا تابع
رہتا ہے کوئی بات اسکے اندرونی قویٰ کے تدبر اور تفکر سے نہیں نکلتی بلکہ جو کچھ طبعی طور پر اسکے
اندر پیدا ہوا ہے وہ خارجی تحریکوں کے مناسب حال نکلتا چلا جاتا ہے یہ ممکن ہے کہ اس کے
طبعی جذبات جو اسکے اندر سے کسی تحریک سے باہر آتے ہیں وہ سب کے سب برے نہ ہوں
بلکہ بعض انکے نیک اخلاق سے مشابہ ہوں لیکن عاقلانہ تدبر اور موقع شناسی کو ان میں دخل نہیں
ہوتا اور اگر کسی قدر ہو بھی تو وہ بوجہ غلبہ جذبات طبعی قابل اعتبار نہیں ہوتا بلکہ جس طرف کثرت
ہے اسی کو معتبر سمجھا جائے گا۔

(نفس لوامہ)

غرض ایسے شخص کی طرف حقیقی اخلاق منسوب نہیں کر سکتے جس پر جذبات طبعیہ
حیوانوں اور بچوں اور دیوانوں کی طرح غالب ہیں اور جو اپنی زندگی کو قریب قریب وحشیانہ طور
کے بسر کرتا ہے بلکہ حقیقی طور پر نیک یا بداخلاق کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ
جب انسان کی عقل خداداد پختہ ہو کر اس کے ذریعہ سے نیکی اور بدی یا دو بدیوں یا دو نیکیوں
کے درجہ میں فرق کر سکے پھر اچھی راہ کے ترک کرنے سے اپنے دل میں ایک حسرت پاوے
اور برے کام کے ارتکاب سے اپنے تئیں متندم اور پشیمان دیکھے یہ انسان کی زندگی کا دوسرا
زمانہ ہے جسکو خدا کے پاک کلام قرآن شریف میں نفس لوامہ کے نام سے تعبیر کیا ہے مگر یاد رہے
کہ ایک وحشی کو نفس لوامہ کی حالت تک پہونچانے کیلئے صرف سرسری نصائح کافی نہیں ہیں
بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ اسکو خداشناسی کا اس قدر حصہ ملے جس سے وہ اپنی پیدائش بیہودہ اور لغو
خیال نہ کرے تا معرفت الٰہی سے سچے اخلاق اس میں پیدا ہوں اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ساتھ اس کے

سچے خدا کی معرفت کیلئے توجہ دلائی ہے اور یقین دلایا ہے کہ ہر ایک عمل اور خلق ایک نتیجہ رکھتا ہے جو اس زندگی مین روحانی راحت یا روحانی عذاب کا موجب ہوتا ہی اور دوسری زندگی مین کھلے کھلے طور پر اپنا اثر دکھائیگا۔ غرض نفس لوّامہ کے درجہ پر انسان کو عقل اور معرفت اور پاک کانشنس سے اس قدر حصہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ برے کام پر اپنے تئین ملامت کرتا ہے اور نیک کام کا خواہشمند اور حریص رہتا ہے یہ وہی درجہ ہے کہ جسمین انسان اخلاق فاضلہ حاصل کرتا ہے۔

خَلق اور خُلق

اس جگہ بہتر ہوگا کہ مین خُلق کے لفظ کی بہی کسی قدر تعریف کردون سو جاننا چاہئے کہ خَلق خا کی فتح سے ظاہری پیدایش کا نام ہے اور خُلق خا کے ضمہ سے باطنی پیدایش کا نام ہے اور چونکہ باطنی پیدایش اخلاق سے ہی کمال کو پہونچتی ہے نہ صرف طبعی جذبات سے اسلئے اخلاق پر ہی یہ لفظ بولا گیا ہے طبعی جذبات پر نہین بولا گیا۔ اور پہر یہ بات بہی بیان کردینی کے لائق ہے کہ جیسا کہ عوام الناس خیال کرتے ہین کہ خُلق صرف حلیمی اور نرمی اور انکساری کا نام ہے یہ انکی غلطی ہے بلکہ جو کچہہ بمقابلہ ظاہری اعضا کے باطن مین انسانی کمالات کی کیفیتین رکھی گئی ہین ان سب کیفیتون کا نام خلق ہے مثلاً انسان آنکھ سے روتا ہے اور اس کے مقابل پر دل مین ایک قوت رقت ہے وہ جب بذریعہ عقل خداداد کے اپنے محل پر مستعمل ہو تو وہ ایک خلق ہے۔ ایسا ہی انسان ہاتہون سے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل مین ایک قوت ہے جسکو شجاعت کہتے ہین۔ جب انسان محل پر اور موقع کے لحاظ سے اس قوت کو استعمال مین لاتا ہے تو اس کا نام بہی خلق ہے۔ اور ایسا ہی انسان کبھی ہاتہون کے ذریعہ سے مظلومون کو ظالمون سے بچانا چاہتا ہے یا ناداروں اور بہوکون کو کچہہ دینا چاہتا ہے یا کسی اور طرح سے بنی نوع کی خدمت کرنا چاہتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جسکو رحم بولتے ہین اور کبھی انسان اپنے ہاتہون کے ذریعہ سے ظالم کو سزا دیتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل مین ایک قوت ہے جسکو عفو اور صبر کہتے ہین اور کبھی انسان بنی نوع کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے ہاتہون سے کام لیتا ہے یا پیرون سے

یا دل اور دماغ سے اور انکی بہبودی کیلئے اپنا سرمایہ خرچ کرتا ہے تو اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جسکو سخاوت کہتے ہین۔ پس جب انسان ان تمام قوتون کو موقع اور محل کے لحاظ سے استعمال کرتا ہے تو اس وقت انکا نام خُلق رکھا جاتا ہے اللہ جلّ شانہٗ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ یعنے تو ایک بزرگ خلق پر قائم ہے سو اسی تشریح کے مطابق اسکے معنی ہین یعنے یہ کہ تمام قسمین اخلاق کی سخاوت۔ شجاعت۔ عدل۔ رحم۔ احسان۔ صدق۔ حوصلہ وغیرہ تجھ مین جمع ہیں۔ غرض جس قدر انسان کے دل مین قوتین پائی جاتی ہین جیسا کہ ادب۔ حیا۔ دیانت۔ مروت۔ غیرت۔ استقامت۔ عفت۔ زہادت۔ اعتدال۔ مواسات یعنی ہمدردی۔ ایسا ہی شجاعت۔ سخاوت۔ عفو۔ صبر۔ احسان۔ صدق۔ وفا وغیرہ جب یہ تمام طبعی حالتین عقل اور تدبّر کے مشورہ سے اپنے اپنے محل اور موقع پر ظاہر کیجائینگی تو سبکا نام اخلاق ہوگا اور یہ تمام اخلاق درحقیقت انسان کی طبعی حالتین اور طبعی جذبات ہین اور صرف اس وقت اخلاق کے نام سے موسوم ہوتے ہین کہ جب محل اور موقع کے لحاظ سے بالارادہ ان کو استعمال کیا جائے چونکہ انسان کے طبعی خواص مین سے ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ ترقی پذیر جاندار ہے اسلئے وہ سچے مذہب کی پیروی اور نیک صحبتون اور نیک تعلیموں سے ایسے طبعی جذبات کو اخلاق کے رنگ مین لے آتا ہے اور یہ امر کسی اور جاندار کے لئے نصیب نہین ۔

اصلاح اول یعنی طبعی حالتیں

اب ہم منجملہ قرآن شریف کی اصلاحات ثلٰثہ کے پہلی اصلاح کو جو ادنٰے درجہ کی طبعی حالتون کے متعلق ہے ذکر کرتے ہین اور یہہ اصلاح اخلاق کے شعبون مین سے وہ شعبہ ہے جو ادب کے نام سے موسوم ہے یعنے وہ ادب جسکی پابندی وحشیون کو انکی طبعی حالتون

کہانے پینے اور شادی کرنے وغیرہ تمدنی امور میں مرکز اعتدال پر لاتی ہے اور اس زندگی سے
نجات بخشتی ہے جو وحشیانہ اور چوپاؤں یا درندوں کی طرح ہو جیسا کہ ان تمام آداب کے بارے
میں اللہ جل شانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وبناتكم واخواتكم وعمّتكم وخلتكم وبنت الاخ وبنت
الاخت وامهتكم التي ارضعنكم واخواتكم من الرضاعة وامّهت نسائكم وربائبكم
التي في حجوركم من نسائكم التي دخلتم بهن فان لم تكونوا دخلتم بهن فلا جناح
عليكم وحلائل ابنائكم الذين من اصلابكم وان تجمعوا بين الاختين الا ما قد سلف
لا يحل لكم ان ترثوا النساء كرها ولا تنكحوا ما نكح آباؤكم من النساء الا ما قد سلف
احل لكم الطيبت والمحصنت من المؤمنت والمحصنت من الذين اوتوا الكتب
من قبلكم اذا آتيتموهن اجورهن محصنين غير مسافحين ولا متخذي اخدان
ولا تقتلوا انفسكم ولا تقتلوا اولادكم لا تدخلوا بيوتا غير بيوتكم حتى تستانسوا
وتسلموا على اهلها فان لم تجدوا فيها احدا فلا تدخلوها حتى يؤذن لكم وان قيل
لكم ارجعوا فارجعوا هو ازكى لكم واتوا البيوت من ابوابها - واذا حييتم بتحية
فحيوا باحسن منها او ردوها - انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل
الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون - حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير
وما اهل لغير الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردية والنطيحة وما اكل السبع وما ذبح
على النصب يسئلونك ماذا احل لهم قل احل لكم الطيبت واذا قيل لكم تفسحوا
في المجالس فافسحوا واذا قيل انشزوا فانشزوا - كلوا واشربوا ولا تسرفوا وقولوا
قولا سديدا وثيابك فطهر والرجز فاهجر واغضض من صوتك واقصد في مشيك
تزودوا فان خير الزاد التقوى وان كنتم جنبا فاطهروا وفي اموالهم حق للسائل و
المحروم وان خفتم الا تقسطوا في اليتامى فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلاث
ورباع وان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملكت ايمانكم ذلك ادنى الا تعولوا واتوا النساء صدقاتهن نحلة

ترجمہ یعنے تمپر تمہاری مائین حرام کی گئین اور ایسا ہی تمہاری بیٹیان اور تمہاری بھنیں اور
تمہاری پہوپھیان اور تمہاری خالائین اور تمہاری بھتیجیان اور تمہاری بھانجیان . .
. . . اور تمہاری وہ مائین جنہون نے تمہین دودہ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنین اور
تمہاری بیویون کی مائین اور تمہاری بیویوں کے پہلے خاوند سے لڑکیان جن سے تم ہم صحبت
ہو چکے ہو اور اگر تم ان سے ہم صحبت نہین ہوئے تو کوئی گناہ نہین اور تمہارے حقیقی بیٹون
کی عورتین اور ایسے ہی دو بہنین ایک وقت مین یہ سب کام جو پہلے ہوتے تھے آج تم پر
حرام کئے گئے - یہ بہی تمہارے لئے جائز نہ ہوگا کہ جبراً عورتون کے وارث بن جاوٗ - یہ بہی
جائز نہیں کہ تم ان عورتون کو نکاح مین لاوٗ جو تمہارے باپونکی بیویاں تہین - جو پہلے ہو چکا
سو ہو چکا پاک دامن عورتین تم مین سے یا پہلے اہلکتاب مین سے تمہارے لئے حلال ہین
کہ ان سے شادی کرو لیکن جب مہر قرار پا کر نکاح ہو جائے بدکاری جائز نہین اور نہ چھپا ہوا
یارانہ - عرب کے جاہلون میں جس شخص کے اولاد نہ ہوتی تہی بعض میں یہ رسم تہی کہ انکی بیوی
اولاد کے لئے دوسرے سے آشنائی کرتی - قرآن شریف نے اس صورت کو حرام کردیا -
مسافحت اسی بدرسم کا نام ہے - پہر فرمایا کہ تم خودکشی نہ کرو اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اور دوسرے
گہرون میں وحشیون کی طرح خودبخود بے اجازت نہ چلے جاوٗ - اجازت لینا شرط ہے -
اور جب تم دوسرے گہرون مین جاوٗ تو داخل ہوتے السلام علیکم کہو اور اگر ان گہرون
میں کوئی نہ ہو تو جب تک کوئی مالک خانہ تمہین اجازت نہ دے ان گہرون میں مت جاوٗ -
اور اگر مالک خانہ یہ کہے کہ واپس چلے جاوٗ تو تم واپس چلے جاوٗ - اور گہرون میں دیوارون
پر سے کود کر نہ جایا کرو بلکہ گہرون مین ان گہرون کے دروازہ مین سے جاوٗ - اور اگر کوئی
تمہین سلام کہے تو اس سے بہتر اور نیک تر اسکو سلام کہو - شراب اور قمار بازی اور بت پرستی
اور شگون لینا یہ سب پلید اور شیطانی کام ہین ان سے بچو - مردار مت کہاوٗ - خنزیر کا گوشت
مت کہاوٗ - بتون کے چڑہاوے مت کہاوٗ - لاٹھی سے مارا ہوا مت کہاوٗ - سینگ لگنے
سے مرا ہوا مت کہاوٗ - درندہ کا پہاڑا ہوا مت کہاوٗ - بت پر چڑہایا ہوا مت کہاوٗ کیونکہ یہ سب

مردار کا حکم رکھتے ہین اور اگر یہ لوگ پوچھین کہ پھر کہا ئین کیا۔ تو جواب یہ دے کہ دُنیا کی
تمام پاک چیزین کہاؤ صرف مردار اور مردار کے مشابہ اور پلید چیزین مت کہاؤ۔ اگر مجلسون
مین تمہیں کہا جائے کہ کشادہ ہو کر بیٹھو یعنے دوسرون کو جگہ دو تو جلد کشادہ جگہ کر دو تا دوسرے
بیٹھین۔ اور اگر کہا جائے کہ تم اُٹھ جاؤ تو پھر بغیر چون وچرا کے اُٹھ جاؤ۔ گوشت دال وغیرہ
سب چیزین جو پاک ہون بیشک کہاؤ مگر ایک طرف کی کثرت مت کرو اور اسراف اور
زیادہ خوری سے اپنے تئین بچاؤ۔ لغو باتین مت کیا کرو محل اور موقع کی بات کیا کرو۔ اپنے
کپڑے صاف رکھو۔ بدن کو اور گھر کو اور کوچہ کو اور ہر ایک جگہ کو جہان تمہاری نشست ہو
پلیدی اور میل کچیل اور کثافت سی بچاؤ یعنے غسل کرتے رہو اور گھرون کو صاف رکھنے کی
عادت پکڑو۔ نہ بہت اونچا بولا کرو نہ بہت نیچا درمیان کو نگاہ رکھو یعنے باستثناء وقت
ضرورت کے چلنے مین بہی نہ بہت تیز چلو اور نہ بہت آہستہ درمیان کو نگاہ رکھو۔ جب سفر
کرو تو ہر ایک طور پر سفر کا انتظام کر لیا کرو۔ اور کافی زاد راہ لے لیا کرو تا گداگری سے بچو۔
جنابت کی حالت مین غسل کر لیا کرو۔ جب روٹی کہاؤ تو سائل کو بہی دو اور کُتے کو بہی ڈالدیا
کرو اور دوسرے پرند وغیرہ کو بہی اگر موقع ہو۔ یتیم لڑکیان جن کی تم پرورش کرو ان سے
نکاح کرنا مضایقہ نہین۔ لیکن اگر تم دیکھو کہ چونکہ وہ لاوارث ہین شاید تمہارا نفس انپر زیادتی
کرے تو مان باپ اور اقارب والی عورتین کرو جو تمہاری مؤدب رہین اور ان کا تمہین
خوف رہے ایک دو تین چار تک کر سکتے ہو بشرطیکہ اعتدال کرو اور اگر اعتدال نہ ہو تو
پھر ایک ہی پر کفایت کرو۔ گو ضرورت پیش آوے۔ چار کی حد لگا دی گئی ہے وہ اس مصلحت
سے ہے کہ تا تم پرانی عادت کے تقاضے سے افراط نہ کرو۔ یعنے صدہا تک نوبت نہ پہنچاؤ
یا یہ کہ حرامکاری کی طرف جُھک نہ جاؤ اور اپنی عورتون کو مہر دو۔

غرض یہ قرآن شریف کی پہلی اصلاح ہے جسمین انسان کی طبعی حالتون کو وحشیانہ طرز نفون
سے کھینچکر انسانیت کے لوازم اور تہذیب کیطرف توجہ دلائی گئی ہے اِس تعلیم مین ابہی اعلےٰ
اخلاق کا کچھ ذکر نہین صرف انسانیت کے آداب ہین اور ہم لکھ چکے ہین کہ اس تعلیم کی یہ

ضرورت پیش آئی تہی کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم جس قوم کی اصلاح کے لئے آئے تہے وہ وحشیانہ حالت مین سب قومون سے بڑھی ہوئی تہی کسی پہلو مین انسانیت کا طریق اِن مین قایم نہین رہا تہا پس ضرور تہا کہ سب سے پہلے انسانیت کے ظاہری ادب ان کو سکھلائے جاتے ۔

حرمت خنزیر

ایک نکتہ اس جگہ یاد رکہنے کے قابل ہے اور وہ نکتہ یہہ ہے کہ خنزیر جو حرام کیا گیا ہے خدا نے ابتدا سے اِسکے نام مین ہی حرمت کیطرف اشارہ کیا ہے کیونکہ خنزیر کا لفظ خنز اور اَر سے مرکب ہے جسکے یہ معنے ہین کہ مین اِسکو فاسد اور خراب دیکہتا ہون خنز کے معنے بہت فاسد اَر کے معنی دیکہتا ہون ۔ پس اِس جانور کا نام جو ابتدا سے خدا تعالیٰ کیطرف سے اس کو ملا ہے وہی اِسکی پلیدی پر دلالت کرتا ہے اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ ہندی مین اِس جانور کو سُؤر کہتے ہین یہ لفظ بہی سُو اور اَر سے مرکب ہے جسکے معنے یہ ہین کہ میں اس کو بہت برا دیکہتا ہون اور اس سے تعجب نہین کرنا چاہئے کہ سُو کا لفظ عربی کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ ہمنے اپنی کتاب منن الرحمٰن مین ثابت کیا ہے کہ تمام زبانون کی مان عربی زبان ہے اور عربی کے لفظ ہر ایک زبان مین نہ ایک دو بلکہ ہزارون ملے ہوئے ہین ۔ سو سوء عربی لفظ ہے اس لئے ہندی مین سوء کا ترجمہ بَد ہے پس اِس جانور کو بد بہی کہتے ہین ۔ اسمین کچہ بہی شک معلوم نہین ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ تمام دنیا کی زبان عربی تہی اِس ملک مین یہ نام اس جانور کا عربی مین مشہور تہا جو خنزیر کے نام کے ہم معنے ہے پہر اب تک یادگار باقی رہ گیا ۔ ہان یہ ممکن ہے کہ شاستری مین اسکے قریب قریب بہی لفظ متغیر ہو کر اور کچہ بن گیا ہو مگر صحیح لفظ یہی ہے کیونکہ اپنی وجہ تسمیہ ساتہہ رکہتا ہے جس پر لفظ خنزیر گواہ ناطق ہے اور یہ معنی جو اِس لفظ کے ہین یعنے بہت فاسد اسکی تشریح کی حاجت نہین ۔ اس بات کا کس کو علم نہین کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے ۔ اب اسکے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید بد جانور کے گوشت کا اثر بہی بدن اور روح پر پلید ہی ہو کیونکہ

ہم ثابت کر چکے ہین کہ غذا ؤن کا بہی انسان کے روح پر ضرور اثر ہے۔ پس ہمین کیا شک ہے
کہ اب ایسے بد کا اثر بہی بدہی پڑے گا جیساکہ یونانی طبیبون نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر
کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیاکی قوت کو کم کرتا ہے اور دیوثی کو بڑہاتا ہے
اور مردار کا کہانا بہی اسی لئے اس شریعت مین منع ہے کہ مردار بہی کہانے والے کو اپنے رنگ
مین لاتا ہے اور نیز ظاہری صحت کیلئے بہی مضر ہے اور جن جانورون کا خون اندر ہی رہتا ہے
جیسے گلا گھونٹا ہوا یا لاٹھی سے مارا۔ یہ تمام جانور درحقیقت مردار کے حکم مین ہی ہین۔ کیا
مردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی حالت پر رہ سکتا ہے؟ نہین بلکہ وہ بوجہ مرطوب ہونیکے
بہت جلد گندہ ہوگا اور اپنی عفونت سے تمام گوشت کو خراب کریگا اور نیز خون کے کیڑے
جو حال کی تحقیقات سے بہی ثابت ہوئے ہین مرکر ایک زہرناک عفونت بدن میں پہیلاوین گے۔

تثلیث اور توحید

یسوع کی خدائی پر اس پہلو سے بحث کہ اسکی عوت عام تھی یا خاص۔

پہر ہم حضرت مسیح کی خدائی کی کوئی جز تلاش کرنیکے لئے یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ کیا خدا کی
عام خدائی کی طرح اُن کی دعوت عام تھی یا ایک خاص گروہ تک محدود تھی ظاہر ہے کہ خدا
صرف یہودیون کا خدا نہین بلکہ تمام قومون یہودی۔ مجوسی۔ عیسائی۔ ہندو۔ ستارہ پرست
وغیرہ کا خدا ہے۔ اور جو شخص خدا کا پورا ظل ہو کر دنیا میں ہدایت کیلئے آتا ہے ضرور ہے کہ اُسکی
دعوت بہی عام ہو اور چاہئے کہ اسکی فطرتی ہمدردی کا دائرہ اس قدر وسیع ہو جس قدر زمین پر
مختلف قومین وسعت کے ساتھ موجود ہین۔ غرض مظہر کامل کیلئے یہ ضروری ہے کہ جیسے خدائی
عام ہے ویسا ہی اسکی دعوت بہی عام ہو۔ اب دیکھو یہ تعجب کی جگہ ہے یا نہین کہ دعویٰ تو خدائی

سکا ہے مگر ہمت اس قدر منقبض اور مضمحل ہے کہ صرف ڈیڑھ قوم یہودیوں تک جو بارہ قوموں میں سے
باقی رہ گئی تھی اور وہ بھی ذلیل اور پست حالت میں تھی صرف انہی تک حضرت مسیح اپنی خدائی کا
دائرہ محدود رکھنا چاہتے ہیں گو یا رب العالمین کے مقابل پر ایک چھوٹی سی خدائی کی تجویز کی
گئی ہے۔ کیا خدا کی خدائی یہودیوں کے چند اجڑے ہوئے گھروں تک محدود تھی۔ میں کیونکر
مان سکتا ہوں کہ جو شخص اپنے تئیں اس خدا کا اوتار قرار دیتا ہے کہ جو دنیا کی تمام قوموں کا خدا ہے
اس کی ہمت اور نظر صرف اپنے چند آبائی شہرکوں تک ہی محدود رہے۔

دیکھو جو خدا کا پورا خلیفہ اور مظہر اتم تھا اس نے مسیح کی طرح نہیں کیا جو صرف مکہ والوں
تک اپنی دعوت کو محدود رکھا ہو بلکہ ظاہر کر دیا کہ وہ بھی خدا کی طرح اپنی دعوت عام رکھتا ہے
ہم اس مقام میں کسی پر زبردستی نہیں کرینگے بلکہ صرف ہم حضرت مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی ہمت اور ہمدردی کا بالمقابل اندازہ دکھلانے کے لئے انجیل اور قرآن شریف میں سے دو
آیتیں لکھ دیتے ہیں تا ناظرین کو معلوم ہو کہ ان دونوں بزرگ نبیوں میں سے کون نبی صفت
علو ہمت اور عام ہمدردی کی بناء پر دعوت کیلئے اٹھا ہے اور کون نبی صرف اپنی خاندان
کے چند گھروں تک اپنی ہمت اور ہمدردی محدود رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کی پاک
فطرت اور پورا مظہر الہی ہونیکے لئے یہ بھی ایک پیمانہ ہے کہ بنی نوع کی ہمدردی کے بارے
میں اسکی ہمت ایسی عالی اور اسکی خیر خواہی ایسی اتم اور اکمل ہو کہ کوئی فرد انسانی اور کوئی
قوم اسکے نیک ارادوں سے باہر نہ رہ سکے ایسا شخص درحقیقت خدا کا کامل مظہر اور کامل خلیفہ
ہوتا ہے جس کی بنی نوع کے لئے ہمدردی تمام انسانی روحوں پر محیط ہوتی ہے اور ایسی کامل
ہوتی ہے جو خدا کی ربوبیت اور رحیمیت کے دوش بدوش چلتی ہے سو اس عظیم الشان صفت کی
جب ہم حضرت مسیح میں تلاش کرتے ہیں تو چاروں انجیلوں کی تمام ورق گردانی کرکے صرف
ہمیں یہ آیت ملتی ہے کہ میں بجز بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔
(متی ۱۵/۲۴) لیکن قرآن اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نوع انسان
کی اصلاح کیلئے اپنے تئیں پیش کیا ہے جیسا کہ خدا نے فرمایا قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ

اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعًا وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ - یعنے کہدے کہ مین تمام انسانون کی اصلاح کیلئے بہیجا گیا ہون - اور ہمنے تمام عالمون کے لئے تجہے ایک رحمت مجسم بناکر بہیجا ہے اب دیکہو کہ دعوت کے امر مین محمدی ہمت نے زمین کا کوئی ایسا کنارا چہوڑنا نہین چاہا جسمین کوئی فرقہ انسانون کا موجود ہو بلکہ تمام انس وجن کو ہدایت کے لئے بلایا ہے اور کسی سے بخل نہین کیا - پہر آنجناب کے مقابل پر اُس نبی کو دیکہو جسکی طرف خدائی کا دعویٰ منسوب کیا گیا ہے کہ اسرائیل کی بہیڑون سے باہر قدم رکہنا نہین چاہتا اور پہر حیرت پر حیرت یہ کہ اس فرض کو بہی تو پورا نہین کیا -

ذکر اسرائیلی افغان

ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کے ظہور سے بہت عرصہ پہلے بنی اسرائیل کے فرقے زمین پر متفرق ہو چکے تہے اور جنکی طرف حضرت مسیح بہیجے گئے تہے وہ سب اورشلیم مین موجود نہین تہے بلکہ ان کے بارہ فرقون مین سے دس فرقے دنیا کے مختلف مقامات اور بلاد مین بخت نصر کے حادثہ کے وقت پراگندہ ہو چکے تہے خود محقق عیسائی اس بات کے قایل ہین کہ بعض فرقے ان مین سے ایران کی طرف سے ہوکر افغانستان مین اقامت گزین ہوگئے تہے اور درحقیقت وہی لوگ ہین جو اب افغان کہلاتے ہین اور ان ملکون مین آباد ہین اور بعض فرقے ان مین سے ہندوستان مین سے ہوکر کشمیر کیطرف چلے گئے اور یہ ثابت شدہ امر ہے کہ کشمیری لوگ درحقیقت وہی اسرائیلی ہین جو طرح طرح کے انقلاب کے بعد آخر مسلمان ہوگئے اور پہر توریت کے آخری وعدہ کے موافق حق قبول کرنے کے بعد ان کو سلطنت بہی دی گئی جیسا کہ ظاہر ہے کہ افغانون مین ہی اب تک سلطنت اور حکمرانی پائی جاتی ہے اور کشمیری بہی بادشاہ رہے ہین - اور بعض یہود یونان کی طرف بہی چلے گئے تہے اور بعض تبت مین اور بعض چین تک بہی گئے - لیکن ان کا گروہ کشمیر افغانستان اور کشمیر مین رہا -

[illegible]

پہر اگر مسیح اس دعوی مین سچا تہا کہ وہ بنی اسرائیل کی متفرق بہیڑون کو جمع کرنے آیا ہے تو اس کا فرض تہا کہ صلیب کے واقعہ کے بعد ان تمام ملکون کی سیاحت کرتا جنمین یہودونے بودوباش اختیار کرلی تہی اور مناسب تہا کہ جب کہ وہ اورشلیم کے یہودیون کی اصلاح سے نومید ہو چکا تہا تو بلا توقف صلیب سے نجات پاکر یا بقول عیسائیان دوبارہ زندگی حاصل کرکے ہندوستان مین آتا اور ایران

اور افغانستان کی سیر کرتا اور کشمیر مین جاتا اور اس ملک کے یہودیون پر اتمام حجت کرتا اور اس حیات ابدی کی طرف اُن کو بلاتا جس سے یروشلیم کے یہودی بے نصیب رہے تھے اور اس طرح پر اپنا فرض پورا کر کے اُن کامل بندون میں داخل ہوتا جو اپنی ذمہ واری کے کامون کے لئے جان دینے تک بھی تیار ہوتے ہین - یہ کس قسم کی دانشمندی تھی کہ فرض منصبی تو ابھی پورا نہین کیا اور وہ بدقسمت قومین جن کی اصلاح کے لئے آیا تھا ابھی اکثر اُن کے بلکہ قریبًا تمام اُن کے بجز ایک قلیل فرقہ کے اُس کے آنے سے ہی بیخبر ہین اور جھٹ آسمان پر جا بیٹھا کیا آسمان پر بھی کوئی یہودیون کا فرقہ رہتا تھا جنکی اصلاح کے لئے آسمانی سفر بھی ضروری تھا اور جبکہ مسیح مین اس قدر قوت اور طاقت موجود تھی کہ وہ آسمان پر چڑھ گیا تو اس صورت مین ظاہر ہے کہ کشمیر کا سفر اس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا بلکہ یہ ملک بلاد شام سے آب وہوا مین بہت ملتا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ افغانستان مین جانا بھی کچھ دشوار نہ تھا پھر کیونکر اسکو یہ خیال آیا کہ اپنے فرض سے سبکدوش ہونے سے پہلے ہی لاکھون یہودیون کو بے خبر اور ناکام چھوڑ کر آسمان کی راہ لی تعجب کہ کیونکر اُس کا قدم آسمان کی طرف چلا اور کیونکر اس کی کانشنس نے قبول کر لیا کہ ایک گروہ کثیر یہودیون کو جو صدہا سال سے اسکی انتظار کر رہے تھے اور دن رات اُس کے ظہور کے لئے دعائین مانگتے تھے اور وطن سے بے وطن تھے بیکبارگی اوس نے فراموش کر دیا اور ایک ذرہ ہمدردی کی رگ جنبش مین نہ آئی -

اِس مین کچھ شک نہین کہ اگر وہ اپنا فرض منصبی ادا کر لیتا تو قابل تعریف ٹھیر جاتا - آسمان پر بھی سیّاح کہلاتا اور زمین پر تکالیف سفر کی وجہ سے قوم کی نظر مین سچا فدیہ ٹھیرتا ظاہر ہے کہ آسمان پر اس کا بیٹھنا نہ اسکے لئے مفید تھا اور نہ اس کی قوم کے لئے - سچا فدیہ یہی تھا کہ وہ یہودیون کا پتہ لگا کر ان دور دراز ملکون تک سفر کرتا کہ جن ملکون مین یہودیون نے بود وباش اختیار کر لی تھی اور اس عظیم الشان فدیہ کی یادگار کے لئے نہایت مناسب اور موزون تھا کہ وہ اسی تلاش مین غیر ملک مین مرتا اور غیر ملک مین

اس کی قبر ہوتی تب ہر ایک عقلمند قائل ہوتا کہ درحقیقت اس نے قوم کی بھلائی کے لئے
اپنی جان کو مشقت اور تکلیف مین ڈالکر اور آخر اسی راہ مین جان دے کر اُن کے لئے
اپنے تئین کفارہ کیا۔ مگر یہ بیہودہ کفارہ سمجھ مین نہین آتا کہ قوم کے تو لاکہون آدمی یہی
اسکے وجود سے ہی بے خبر بیٹھے ہین مگر اس نے ایک لعنتی موت کو اپنے لئے پسند کیا ایسے
کفارہ مین کوئی سچی فلاسفی مخفی نہین اگر زید کے سر مین سخت درد ہوتا ہو۔ اور بکر اس کی
اس حالت سے گہبرا کر ایک پتھر سے اپنا سر پہوڑ لے تو کوئی عقلمند اقرار نہین کریگا کہ بکر نے
زید کی خیر خواہی کے لئے یہ فعل کیا اسیطرح مسیح کی حقیقی خیر خواہی یہودیوں کے حق مین اسی مین تہی
کہ وہ تکالیف سفر اپنے پر گوارا کر لیتے اور سردی اور گرمی اور بہوک اور پیاس کی کچھ پروا
نہ کرکے مختلف ملکوں کی راہ لیتے۔ اگر ایسا کرتے تو خدا کی راہ مین سچے شہید کہلاتے اور
چونکہ مسیح کے لفظ کے ایک یہ بھی معنے ہین کہ بہت سیاحت کرنے والا لہذا وہ اِس سیاحت سے
اِن معنون کے بہی مصداق ہوجاتے تب ہر ایک شخص آہ کہینچ کر کہتا کہ کاش مین بہی قوم کے لئے
ایسی ہی تکالیف اٹھا کر قوم کے لئے فدیہ ہوتا جیسا کہ مسیح نے اٹھائین اور فدیہ ہوا اور آئندہ
نسلون کے لئے یہ اس کا کارنامہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہوتا کہ وہ قوم کی اصلاح اور
دستگیری اور غمخواری کیلئے دور دراز ملکون مین گیا اور غربت اور مسافرت کی حالت مین جان دی
اور وہین دفن ہوا اور اس صورت مین وہ ہجرت کی سنت قدیمہ کو بہی جو سنت انبیا ہے پورا کرلیتا
بلکہ اپنے اس قول کے رو سے جو نبی بے عزت نہین مگر اپنے وطن مین آسمان اور زمین دونون
جگہون مین عزت پاتا۔ ہائے اس نے یہ کیا کیا کہ اپنے فرض منصبی کو ناتمام چہوڑ کر آسمان پر جا
بیٹھا گویا بار نبوت سے گہبرا کر گوشہ گزینی اور آرام پسندی اختیار کی جو طریق مردمی اور فتوت سے
بہت بعید ہے۔

غرض حضرت مسیح کا اپنے فرض مذہبی سے قاصر رہنا اور اُن کے مقابل پر ہمارے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کا تمام انسانون کو پورے جوش سے ہدایت کے لئے دعوت عام کرنا یہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اور حضرت مسیح مین ایک ایسا فرق ہے جس سے بداہت معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت

صفت رحمت عامہ کا خصوصیت کیساتھ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک مین
پایا جانا۔

صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مین صفت رحمت عامہ موجود تہی اور وہ تمام لیاقتین آپ کے
نفس نفیس میں جمع تہین جو دنیا کی تمام مختلف قومون کو دعوت حق کرنے کے لئے ایک کامل
مصلح مین ہونی چاہئین مگر حضرت مسیح کی فطرت مین نہ رحمت عامہ اور نہ باقی یہ تمام صفات
موجود تہین - یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح کی ہمت اپنی قوم کے پیش نظر کفار سے یعنی یہود
سے آگے نہ بڑہ سکی کیونکہ اُنکی فطرت مین آگے بڑہنے کے قوا ے موجود نہ تہے ناچار انہون
نے ایک تہوڑے سے اور مختصر کام پر ہی اپنی نبوت کو ختم کر دیا اور صاف اقرار کر دیا کہ میں صرف
یعقوب کی اولاد اور اپنے جدی لوگون کے لئے پیغام دعوت لیکر آیا ہون اور دُنیا کی
قومون سے مجھے کچھ کام نہین لیکن محمدی ہمت اور فطرت چونکہ تمام انسانی روحون سے
ہمدردی کا تعلق رکھتی تہی اور آنجناب کی وہ روح تہی جس سے تمام روحین فیضیاب ہونے
کے لئے پیدا کی گئی تہین لہذا اِس عالی ہمت نے اسپر اکتفا نہ کیا کہ وہ صرف قریش تک
ہی اپنی رسالت کو محدود رکہتے یا محض عرب تک ہی اپنی دعوت کا انحصار کر لیتے بلکہ تمام نوع
انسان کو دین اسلام کیطرف بلایا اور یہ ثابت کر دیا کہ اس پاک اور کامل فطرت کو یہہ جوش
دیا گیا ہے کہ ہر ایک جو زمین پر رہنے والا ہے خواہ نوع انسان مین سے ہے یا نوع جن مین
سے وہ اُسکے فیض عام سے فائدہ اُٹہاوے -

سچ تو یہ ہے کہ زمین کے تمام کنارون تک عام ہمدردی کا خیال دل میں بہر جانا اور
عام قومین جو دوسری قومون سے بکلی منقطع ہو کر اور علیحدہ علیحدہ مذہبون اور ناموں سے
مخصوص ہو کر اپنی اپنی جگہ پر مستقل ہو چکی تہین سب کی اصلاح کا فکر کرنا اور سب کو نیکی اور
ہدایت کی طرف بلانا اس قسم کی دعوت عامہ کا منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے
کسی نبی کو نہین دیا گیا اُن مین سے بعض کا تو وہ زمانہ تہا کہ ہنوز مختلف قومین دنیا مین آباد
نہین تہین اور بوجہ نہ پڑنے کسی تفرقہ قاطع کے تمام انسان ایک ہی قوم کے حکم مین تہے
اور بعض کا وہ زمانہ تہا کہ مختلف قومین آباد تو تہین مگر ایک کو دوسرے کی خبر نہ تہی یا خبر ہی تہی مگر
ملاقات باہمی سخت دشوار تہی سہل اور آسان نہ تہی اِن دونون مذکورہ بالا صورتون مین غیر

دعوت عامہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہونا۔

ممکن تہا کہ کسی نبی کی انبیاء گذشتہ مین سے کل قومون کیلئے دعوت عامہ ہوتی یا وہ دعوت کل قومون کیلئے دعوت کہلا سکتی پس جیسا کہ دوسرے نبیون کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذر چکے ہین تمام قومون کے لئے دعوت عامہ کا منصب نہین دیا گیا ایسا ہی حضرت مسیح کو بہی نہین دیا گیا بلکہ یہ منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی خاص کیا گیا کیونکہ آپ ہی کی فطرت اس بوجھ کی متحمل ہوئی۔ اب جہان تک انسانون کے لئے خدا تعالیٰ کی خدائی کا زمین پر دامن پہیلا ہوا ہے وہان تک اُن تمام انسانون کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بہی عام ہے اور یہ ایک عظیم الشان خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مین ہے جسمین کوئی دوسرا نبی شریک نہین۔

حضرت مسیح کی دعوت کا یہودیوں تک محدود ہونا

ظاہر ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کا مظہر تام ہوتے یا یون کہو کہ خدا ہوتے تو یہ خصوصیت ان میں ہونی چاہئے تہی اور ہرگز ممکن نہ تہا کہ وہ اس ذات کامل کا روپ بن کر جس نے سب انسانون کیلئے اپنے سورج اور چاند اور دوسری مخلوقات کو پیدا کیا ہے ایسی کم ہمتی دکہلاتے کہ صرف یہودیون کے معدودے چند گہرون تک اپنی نبوت کو منحصر کر لیتے بلکہ چاہئے تہا کہ وہ یہ کہتے کہ جیسا کہ خدا تمام نوع انسان کا خدا ہے ایسا ہی مین بہی تمام نوع انسان کیلئے بہیجا گیا ہون اور یہ عذر کہ اگرچہ پہلے انہون نے یہی کہا تہا کہ میری رسالت بنی اسرائیل تک ہی محدود ہے اور مین خاص انہی کے لئے بہیجا گیا ہون مگر آخر کو انہون نے اس قول کی پابندی چہوڑ دی اور اپنے اس اقرار پر قایم نہ رہ سکے اور پہر دعوت عام کا دعوے کر دیا۔ یہ جواب ایسا ہے کہ بجز اسکے کہ ایک طور سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہجو کی جائے اور یہہ مان لیا جائے کہ انکی طبیعت کچھ ایسی واقعہ ہوئی تہی کہ انکو اپنے قول اور اقرار کا کچھ بہی پاس نہ تہا اور کچھ بھی اس جواب کا نتیجہ معلوم نہین ہوتا کیونکہ جب کہ خود بقول حضرت مسیح کے یہ بات فیصلہ پا چکی تہی کہ وہ صرف یہودیون کے لئے بہیجے گئے ہین کسی اور کے لئے تو پہر اس فیصلہ اور اس اقرار کے بعد اُن کے لئے یہ گنجائش باقی نہین تہی کہ وہ پہلے بیان سے انکاری ہوکر یہ کہہ دیتے کہ مین نہ صرف بنی اسرائیل کیلئے بلکہ تمام دنیا کے

لئے بہیجا گیا ہون اس کی توضیح یہ مثال ہے کہ مثلاً فرض کرو کہ ایک گواہ خالد نامی نے حلف اٹہاکر ایک جج کے سامنے اول یہ بیان کیا کہ زید نے جو ایک بڑا مالدار تہا ایک کروڑ روپیہ مجہے اس غرض سے حوالہ کیا تہا کہ مین اس روپیہ کی کوئی جائداد خرید کر بکر کو اسکی طرف سے دیدون اور وہ جائداد کا مالک واحد ہوگا اور اس جائداد مین کسی اور شخص کو ایک پیسہ کا بہی حصہ دار قرار نہ دیا جائیگا۔ اور پہر اپنے تتمہ بیان مین لکہوایا کہ زید نے یون کہا تہا کہ وہ جائداد صرف بکر کے حوالہ نہین کی جائے گی بلکہ اسکے پچاس اور شخص بہی مالک ہونگے اور بکر کے شریک مساوی ہ کہ بکر اکیلا اور ان سب کے یہ نام ہین تواب بتلاؤ کہ کیا وہ جج اس مختلف بیان کو صحیح سمجھ لیگا اور پیش کردہ اشخاص کو بکر کے شریک قرار دیدے گا نہین بلکہ مین سچ سچ کہتا ہون کہ وہ اسی وقت اس کو حلف دروغی کے مقدمہ مین پہنسائے گا اور اس سے پوچہے گا کہ تیرے ان دونون بیانون مین سے کونسا سچا اور کونسا جہوٹا ہے اور آخر قانون کی حد تک حلف دروغی مین اسکو سزا دیگا۔

پادریون کا حضرت مسیح کی طرف متناقض اقوال منسوب کرنا

یہ حضرت عیسیٰ کی سخت بے ادبی ہے کہ نعوذ باللہ ایسے متناقض اقوال اُن کی طرف منسوب کئے جاتے ہین جو کسی عدالت مین پیش ہونے سے جرائم قابل سزا مین پہنسا دیتے ہین لیکن افسوس کہ حضرات پادری صاحبان کو اس حرص شدید کی وجہ سے کہ کسی طرح حضرت مسیح کو خدا مان لیا جائے یہ محسوس ہی نہین ہوتا کہ ان کی کلام مین امور متناقضہ اور متضادہ جمع ہوگئی ہین ایک بات کرتے ہین اور پہر اسی وقت دوسری بات اسکی ضد اور اسکی نقیض بیان کر دیتے ہین مثلاً ایک طرف تو یہ کہتے ہین کہ مسیح خدا کامل ہے اور پہر دوسری طرف یہ بہی کہہ دیتے ہین کہ وہ انسان کامل ہے اور نہین سوچتے کہ جب تمام انسانی لوازم انسانیت کا کمال ثابت کرنے کے لئے اُنکی ذات مین جمع ہونگے تو وہ اُلوہیت کے کمالات کے مخالف پڑینگے کیونکہ ایک طرف تو انسانی جہالتین اور انسانی سہو و نسیان اور انسانی شہوات کا طوفان حضرت مسیح کے نفس مین مان لیا جائے گا اور پہر اسی نفس کی نسبت یہ بہی عقیدہ رکہنا پڑیگا کہ وہ تمام جہالتون سے ازلی پاک اور تمام سہو و نسیان سے ازلی بری اور اعلیٰ ہے پادری

صاحبون کے لئے ہرگز مناسب نہین ہے کہ اپنے غلط عقیدہ کو خواہ نخواہ صحیح ٹہرانیکے لئے حضرت مسیح کے کلام کو تناقضات کا مجموعہ بناوین اور اس طرح پر یہودیون کو نکتہ چینی کے لئے مدد دوین - یہ حضرت مسیح کی زندگی پر ظالمانہ حملہ ہے کہ انکی طرف اس دروغ بے فروغ کو منسوب کرین کہ اول مسیح ہونیکا دعوے کرتے ہی ایک مدت تک بلکہ صلیبی واقعہ تک بار بار کوچہ وبازار میں یہ سناتے رہے کہ مین بجز اسرائیل کی بہیڑون کے اور کسی کی طرف نہین بہیجا گیا اور پہر جب دیکہا کہ یہ بات تو بنتی نہین اور یہودی بہی مجہے قبول نہین کرتے اور انکی نسبت تو اب بکلی امید منقطع ہو چکی ہے تو اپنی ان تمام باتون کو فراموش کر کے کہ جو کہا کرتا تہا کہ مجہے دوسری قومون سے کچہ غرض و واسطہ نہین یہہ شور مچانا شروع کر دیا کہ نہین بلکہ مین تو تمام قومون کے لئے بہیجا گیا ہون - اب دیکہو کہ اس تناقض کو جسکی نسبت سمجہہ سکتے ہین کہ اس کا ارتکاب کرانے والی ایک غرض نفسانی تہی حضرت مسیح کی طرف منسوب کرنا کس قدر اس غریب اور راستباز نبی پر ظلم شدید ہے -

دونوں بیانوں میں تطبیق

اگر بطور فرض مان لین کہ معاذ اللہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے مونہہ سے کوئی ایسا کلمہ نکلا تہا جس مین بظاہر اس قابل شرم تناقض کا وہم گذرتا تہا تو مناسب تہا کہ پاک دل محققین کیطرح ان دونون قسم کے کلمات مین جو اپنی ظاہری صورت مین ایک نادان کے نزدیک تناقض کا خیال پیدا کرتے تہے اور حضرت مسیح پر اعتراض کا موقع دیتے تہے ایسے معنون سے تطبیق کر دیتے کہ تناقض باقی نہ رہتا اور یہودیون کو ہنسنے کا موقع نہ ملتا چنانچہ بات بہی یہی تہی کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اول تو صاف صاف کہہ دیا کہ مین بجز اسرائیل کی بہیڑون کے اور کسی کیطرف نہین بہیجا گیا اور پہر جب کہ وہ یہودی جو یروشلیم مین اور اس کے گرد تہے شرارت اور بے ایمانی سے باز نہ آئے اور حضرت مسیح کو قبول نکیا تو پہر حضرت مسیح نے اپنا فرض منصبی پورا کرنیکے لئے اپنے پر یہ حق واجب اور فرض لازم دیکہا کہ ان یہودیون کیطرف توجہ کرین جو مختلف ملکون کی طرف جلاوطن ہو کر چلے گئے تہے جیسا کہ بعض یونانیون مین جا کر آباد ہو گئے تہے اور بعض ہندوستان اور کشمیر کی طرف چلے گئے تہے اور بعض

افغانستان مین سکونت پذیر ہو گئے تہے۔ اب دیکہو یہ معنے کیسے صاف اور سیدہے اور قریب قیاس ہین جن کے ماننے سے نہ تو کوئی تناقض لازم آتا ہے اور نہ مسیح جیسے راستباز نبی کے کلام مین کسی بناوٹ اور جدید منصوبہ کی بد بو آتی ہے اور دل خوب مان لیتا ہے کہ جب کہ حضرت مسیح کو معلوم تہا کہ وہ تمام یہودیوں کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے ہین نہ صرف چند گہرون کے لئے تو یہ ان کا کام تہا اور ان کو کرنا چاہئے تہا کہ جب کہ یروشلم کے یہودی سرکشی اور شرارت سے پیش آئے تہے اور ان سے امید ہدایت قطع ہو چکی تہی تو وہ تکالیف سیاحت اور سفر اپنے ذمہ لے کر ان یہودیون کی طرف متوجہ ہوتے جو دور دراز ملکون مین چلے گئے تہے اور اگر یہہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت مسیح یروشلم کے یہودیون سے نومید ہو کر گم گشتہ یہودیون کے فرقون کی طرف متوجہ نہین ہوئے بلکہ اپنے پہلے قول اور اقرار کے مخالف اپنے حواریون کو یہ حکم کیا کہ اب تم غیر قومون کی طرف جاؤ اور ان کو اپنے دین کی دعوت کرو تو یہ ایک دوسرا اعتراض حضرت مسیح پر وارد ہو گا کہ جس حالت مین ابہی دس فرقے یہود کے ان کے وجود سے ہی بے خبر تہے جن تک اپنی دعوت کو پہنچانا مسیح کا اصل فرض تہا تو کیون اس فرض کو نظرانداز کر کے دوسری قومون کی طرف توجہ کی۔

غرض یہ بات کسی طرح ٹہیک نہین ہے کہ حضرت مسیح کی دعوت عام تہی اور جبکہ دعوت عام نہ تہی تو اس سے خدائی کا دعوے بداہت باطل ثابت ہوتا ہے اور ایسا ہی کفارہ کا مسئلہ کیونکہ خدا تمام قومون کا خدا ہے نہ صرف یہودیون کا اور وہ سب کے لئے نجات کے طریق ظاہر کرتا ہے نہ محض اسرائیل کی اولاد کے لئے پس اگر یہ بات سچ ہے کہ انسانون کی نجات بغیر کسی کے سولی ملنے کے غیر ممکن ہے تو اس صورت مین دوسری تمام مخلوقات کی نجات کے لئے کسی دوسرے مسیح کے خون کی اشد ضرورت ہے بلکہ دو مسیحون کی ضرورت

(۱) ایک تو ایسا مسیح چاہئے کہ جس فرض کو حضرت عیسے علیہ السلام ادہورا چہوڑ کر آسمان پر جا بیٹہے تہے یعنی یہود کے دوسرے فرقون کو حکم الٰہی پہنچانا جو ان کا فرض تہا اس فرض کو

وہ پورا کرے اور سیاحت اختیار کرکے جس قدر یہود غیر ملکون مین آباد ہین اُن کو خدا کا حکم پہنچاوے اور پہر ان کے لئے سولی ملجائے (۲) دوسرا وہ مسیح چاہئے جو دوسرے تمام انسانون کے لئے جو یہودی نہین ہین صلیب پر اپنی جان دیوے۔

یسوع کی خدائی پر بحث اس کی پیش کردہ معصومیت کے لحاظ سے

اب جبکہ دلائل مذکورہ بالا سے ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ہرگز یہ دعویٰ نہین کیا کہ میری دعوت تمام نوع انسان کے لئے عام ہے بلکہ یہ دعوے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تو دعوت کے رو سے تو حضرت مسیح مین کوئی ایسی خصوصیت پائی نہ گئی جس سے انکی خدائی کا کچھہ خیال پیدا ہو سکے اب ہمین یہ دیکھنا باقی رہا کہ کیا معصوم ہونے مین حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت ہے تا یہ حجت پیش ہو سکے کہ وہی خصوصیت ان کی خدائی پر ایک دلیل ہے۔

یسوع کا اپنا اقرار کہ مین نیک نہین۔

پس واضح ہو کہ اِس مقام مین حضرت مسیح کا اپنا ہی قول ایک فیصلہ کرنے والا قول ہے کیونکہ انجیل مین لکھا ہے کہ ایک نے آکے مسیح سے کہا اے نیک اُستاد مین کونسا نیک کام کرون کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤن۔ اُس نے اُسے کہا تو کیون مجھے نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہین مگر ایک یعنے خدا۔ دیکھو انجیل متی باب ۱۹-۱۷-آیت مذکورہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح نے نیک ہونے سے انکار کیا ہے اور اسکے معنے بجز اس کے اور کچھ نہین کہ مسیح اپنے تئین گنہ گار سمجھتا تہا اور پادری صاحبون کی طرف سے اس جگہ یہ جواب ہے کہ چونکہ مسیح جانتا تہا کہ مین خدا ہون اِس لئے اس طرز کی تقریر سے اس کا یہ منشا تہا کہ جو شخص مجھے انسان سمجھتا ہے وہ کیون مجھے نیک کہتا ہے کیا انسان نیک ہو سکتا ہے مگر ہر ایک عقلمند سمجھہ سکتا ہے کہ یہ جواب ٹھیک نہین ہے کیونکہ اگر مسیح نے اپنی خدائی کا دعویٰ یہودیون کے آگے پیش کیا تہا تو ایسا دعوے کرنیوالا ان کے نزدیک کافر اور نہایت بد آدمی اور توریت کے رو سے

واجب القتل تہا تو پہر کیونکر ایک یہودی ایسے دعوے کو سنکر اسکو نیک کہہ سکتا تہا اور اگر اس یہودی نے خدائی کے دعوے کو مان لیا تہا تو پہر ایسی بات کہنے کا کوئی موقع نہین تہا کہ تو میری خدائی سے منکر ہو کر پہر مجہے کیون نیک کہتا ہے یہ بات درحقیقت غیر معقول اور غیر ممکن ہے کہ ایک یہودی شخص نے اپنے کانون سے سُنا ہو کہ حضرت مسیح خدائی کا دعوے کرتے ہین اور پہر وہ ان کو نیک کہہ سکے یہودیون کا ہرگز یہہ مذہب نہین ہے کہ خدا کا دعوے کرنیوالا نیک ہو سکتا ہے پس جس یہودی نے حضرت مسیح علیہ السلام کو نیک کہا تہا اسکی نسبت پادری صاحبون کو بہرحال یہ فرض کرنا پڑے گا کہ وہ حضرت مسیح کی خدائی پر ایمان رکھتا تہا ورنہ وہ کیونکر ان کو نیک کہہ سکتا تہا تو اس صورت مین وہ توجیہ باطل ہو جائیگی جو پادری صاحبان اس آیت کی کرتے ہین پس کچہہ شک نہین کہ ایسے معنی مذکورہ بالا آیت کے محض بناوٹ سے کئے گئے ہین مسیح کے الفاظ سے وہ معنے ہرگز ہرگز نہین نکلتے اور ایسی بیہودہ کہینچ تان سے مسیح کے معصوم بنانے کیلئے کوشش کرنا ہرگز کوئی منصف اور عقلمند پسند نہین کریگا۔

صاف ظاہر ہے کہ مسیح نے مذکورہ بالا آیت مین اپنے نیک ہونے سے سادہ اور سہل الفاظ مین انکار کیا ہے اور یہی الفاظ راستبازون کے محاورہ مین ہمیشہ سے داخل ہین کہ وہ اپنے تئین کمزور سمجہہ کر حقیقی نیکی خدا کی طرف منسوب کرتے ہین اور انکا یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ حقیقی طور پر صرف خدا ہی نیک ہے اور تمام بندے اسی سے قوت پاکر نیک بنتے ہین نہ کہ خود بخود۔ اب کس قدر ظلم اور حق پوشی ہے کہ ایک سیدہے اور صاف اقرار کو جو راستبازون کی خو اور خلق کے سراسر مناسب حال ہے خدائی کے دعوی کی طرف کہینچا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہی الفاظ قدیم سے راستبازون کے استعمال مین آتے رہے ہین اور ہر ایک قوم کے راستبازون کے موہنہ سے یہی کلمے نکلے ہین کہ وہ حقیقی نیکی کا سرچشمہ اپنے مولی کریم کو ہی ٹہراتے رہے ہین اور جب انکو نیک کہا جاتا تہا تو وہ انکسار کے طور سے اور اپنی کمزوری کو خیال کرکے یہی جواب دیتے رہے کہ حقیقی نیکی خدا کے

لئے مسلم ہے۔

مسیح کا انکسار

اب ایسے کلمات کو جو اپنی کمزوری اور خدا کی عظمت کے لئے وضع کئے گئے تھے متکبرانہ رنگ مین لے آنا اور ان سے خدائی کا دعوے نکالنا عجیب طرح کا تحکم ہے۔ کیا ایک پاک کانشنس قبول کر سکتا ہے کہ نیک اُستاد کہنے سے مسیح کو یہ جوش آیا کہ لوگ مجھے خدا کر کے کیون نہین پکارتے حالانکہ آیت کے سیاق سباق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح نے اس مقام مین اپنی فطرتی سعادت کی وجہ سے انکسار دکھلایا اور اس شخص کو اس بات پر متنبہ کیا کہ حقیقی نیکی کا سرچشمہ خدا ہے اور جو کچھہ تو مجھہ مین نیکی دیکھتا ہے وہ میری طرف سے نہین بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ یہ ایک معرفت کا سبق تہا جو مسیح نے اسکو دیا نہ یہ کہ شیخی مین آکر نہائت تکبر سے اپنی خدائی کو پیش کیا۔ خدائی تو جو کچھہ تھی وہ روزانہ مصیبتون اور ناکامیون سے ظاہر تہی حاجت بیان نہ تھی پہر اسکے نہ ماننے سے ناراض ہونا اور چڑنا اور غصہ ہونا اخلاق سے بہی بہت بعید تہا اور سراسر بے وجہ تہا ہمیں پادری صاحبان معاف کرین اگر ان کو یہ بات تلخ معلوم ہو کہ جس شخص کو حفاظت خوداختیاری کی بہی طاقت نہین تہی جو خدائی کے ادنٰے لوازم میں سے ہے اور یہودیون نے جو خود کمزور اور ذلیل ہو رہے تہے اسکو پورے اقتدار سے تکلیفین پہنچا ممکن اور جو کچھہ چاہا اس سے کیا تو کیا ایسے شخص کو عقل سلیم خدائے قادر مطلق کہہ سکتی ہے یا ایک عاجز انسان؟ کیا ہم خدا کی طرف یہ ذلتین منسوب کر سکتے ہین کہ وہ چند کمزور انسانون کے ہاتہہ سے پکڑا گیا اور حوالات مین کیا گیا اور ایک ضلع سے دوسرے ضلع مین اسکا چالان ہوا اور سپاہیون کے ہاتہہ سے اوس نے طمانچے کہائے اور ساری رات کی دعا قبول نہ ہوئی اور کیا عقل قبول کر سکتی ہے کہ جو شخص خود خدا تھا اُس کو بہی دعا کی حاجت تھی؟

اب خلاصہ کلام یہہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا جیسا کہ پادری صاحبان سمجھتے ہین معصوم ہونا بہی ثابت نہین ہوتا۔ اگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار سے گناہ گار

ہونے کے معنے نکالے جاتے ہین تو پھر حضرت مسیح کے اس اقرار سے کہ مجھے نیک مت کہو
بوجہ اولی گناہ گار ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ مسیح کی عملی حالتین انہین معنون پر روشنی ڈال کر حق
الیقین تک انکو پہنچاتی ہین- کیونکہ اول تو مسیح نے یوحنا کے ہاتھہ پر توبہ کا اصطباغ لیا جس
مین اعتراف گناہ کا ہے پس اصطباغ کیا لیا گویا گنہ گار ہونے پر مہر لگادی- مگر ہمارے نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کے ہاتھہ پر توبہ نہین کی- یہ بات ایک بڑی غور کے لائق ہے کہ اگر
مسیح معصوم تھا تو اسے توبہ کی کیا ضرورت تھی دوسرے کی خدمت مین ایک ذلت کے ساتھ
حاضر ہونا اور گناہ کا اقرار کرنا بجز اس صورت کے کب ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے دل مین
محسوس کرتا ہو کہ مین گنہ گار ہون اور دوسرے یہ کہ مسیح پر اور اس کی والدہ پر دشمنون نے جو
یہودی ہین وہ سخت تر الزام لگائے ہین جن کے لکھنے سے بھی ہاتھہ کانپتا ہے بلکہ بعض الزام
تو ایسے ہین کہ مسیح نے اپنے ذمہ خود انکو قبول کر لیا ہے اور بعض ایسے ہین کہ انجیلون مین حواریون
نے ان پر گواہی دے دی ہے اور عیسائی مورخون نے ان کو مان لیا ہے اور یہودیون کی کتابون
اور تاریخون کے دیکھنے سے جو اعتراضات سے پُر ہین مسیح کی عصمت کی نسبت اس قدر
اور مشکلات پیش آگئی ہین کہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کاش پادری صاحبان خدا کے پاک
نبیون کی نکتہ چینی نہ کرتے اور توہین اور تحقیر اور عیب گیری نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مسلمانون
کا دل نہ دکھاتے تا مسلمان بھی یہودیون کی کتابون کی مدد سے اور خود انجیلون مین سے بھی
حضرت مسیح کے عیبون کی تفتیش نہ کرتے یہ گناہ درحقیقت پادری صاحبون کی گردن پر ہے
کہ وہ تمام مقدس اور راستبازون کی عیب گیری پر کمربستہ ہوگئے اور طرح طرح کی بیجا تاویلون
بلکہ افتراؤن سے چاہا کہ خواہ نخواہ خدا تعالے کے پاک نبیون کو گنہ گار ٹھہراوین اسلئے خدا نے
حضرت مسیح کو بھی نکتہ چینیون سے محفوظ نہ رکھا یہہ مقولہ نہایت سچ ہے بلکہ پادری صاحبون
کے حق مین یہ پیشگوئی ہے کہ عیب مت لگاؤ تا تم پر بھی عیب نہ لگایا جائے اور یاد رہے
کہ یہ طریق نبیون کی عیب گیری اور نکتہ چینی کا درحقیقت انیسوین صدی عیسوی کے پادریون
کو اس کا موجد کہنا چاہئے مگر انہون نے اچھا نہین کیا کہ اس طریق پر حد سے زیادہ زور دیا اور

مسلمانون کے دلون کو حد سے زیادہ آزار پہنچایا۔ ہم سمجھہ نہین سکتے کہ وہ کونسی عصمت اور پاک دامنی حضرت مسیح مین ہے جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مین موجود نہین۔ مسیح کی سرگذشت مین گنہ کا اقرار بہی موجود ہے۔ گناہ گارون کی طرح توبہ بہی موجود ہے۔ اور گناہ گارون والے افعال بہی موجود ہین۔ اور اگر دشمن کی نکتہ چینی اور عیب گیری سے کوئی نبی خدا کا مجرم بن سکتا ہے تو جیسا کہ یہودیون کی کتابون سے ظاہر ہوتا ہے ایسی ہی نکتہ چینیون کے انبار در انبار حضرت مسیح کی زندگی مین بہی موجود ہیں۔

شراب اور مسیح کا اس کو استعمال کرنا

مثلاً ایک شراب ہی کو دیکہو جو اُمّ الخبائث ہے جس سے طرح طرح کے نفسانی جوش پیدا ہو کر کبہی انسان مرتکب فسق و فجور کا ہوتا ہے اور کبہی خون ریزی کا ارتکاب کرتا ہے اور بلاشبہ یہ تمام گناہون کی مان ہے مگر نہ صرف یہودیون کے اعتراضات سے بلکہ انجیل سے بہی ثابت ہے کہ حضرت مسیح تمام عمر اسکے مرتکب رہے اسی وجہ سے عیسائیون کی عشاء ربّانی کی بہی یہ ایک جزو ہے اور انجیل مین حضرت مسیح اقرار کرتے ہین کہ یوحنّا شراب نہین پیتا تہا مگر اپنی نسبت مبالغہ سے کہاؤ پیؤ کا لفظ استعمال کیا ہے غرض اس مین کسی کو بہی کلام نہین کہ یسوع مسیح شراب پیا کرتا تہا چنانچہ پرچہ اخبار ایپی فنی ۲۷- اپریل سنہ ۱۹۰۱ء مین بہی جو ایک مشہور پادریون کا پرچہ انگریزی زبان مین کلکتہ سے نکلتا ہے یہ عبارت ہے وہ مسیح گوشت بہی کہاتا تہا اور شراب بہی پیتا تہا۔ اور کتاب دانی ایل باب اول مین شراب کو ناپاک قرار دیا ہے اور لکہا ہے کہ دانی ایل اسکو ناپاک سمجہتا تہا لیکن اصل بات یہ ہے کہ شراب ایسی خبیث چیز ہے کہ اس کا پلید ہونا اس بات کا محتاج نہین کہ توریت یا انجیل یا کسی دوسرے صحیفہ مین اس کو پلید اور ناپاک لکہا ہو بلکہ اگر فرض کے طور پر کسی کتاب مے شراب کی تعریف کی ہو تو شراب اس سے قابل تعریف نہین ٹہرے گی ہان اس کتاب پر اعتراض آئے گا کہ وہ خدا کی طرف سے نہین ہے جس چیز کے عیب اور مضرتین تجارب سے کہل گئے ہون اس مین ہم کسی کتاب کی شہادت کے محتاج نہین ہین ہزارون قسم کی زہرین اور خبیث چیزین دنیا مین موجود ہین جن کی مضرتین تجربہ نے ہم پر کہول دی ہین۔ پس ضرور نہین کہ ہم ان چیزون کو خبیث ٹہرانے کے لئے آسمانی

کتابون کی ورق گردانی کرین ان سب مین سے اول درجہ پر شراب ہے۔ دُنیا مین ہزارون شہادتین اس کی مضرت اور خباثت پر موجود ہین اُن سب کا لکھنا موجب تطویل ہے اسلئے ہم مناسب سمجھتے ہین کہ عیسائیون مین سے فقط ایک نامی انسان کی شہادت شراب کے بارے مین بیان کی جائے چنانچہ ہم ذیل مین اس شہادت کے لئے جناب وائیسراے لارڈ کرزن کی سپیچ . . . تحریر کرتے ہین اور یہ وہ تقریر ہے جو وائیسراے ممدوح نے بمقام سملہ ۷۔ جون ۱۹۰۱ء کو فوجی ٹمپرنس سوسائٹی کے جلسہ پر بیان فرمائی تھی چونکہ اس اسپیچ کا پڑھنا ناظرین کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں اس لئے ہم اس کو بجنسہ نقل کر دیتے ہین اور وہ یہہ ہے۔

اب مین اس انجمن کی کارروائی اور اس کی ضرورت پر گفتگو کرتا ہون۔ فوج برطانیہ کے اعتدال یا غیر اعتدال کے جس پہلو کو دیکھو اس نے ضرور تغیرات کی کئی منزلین طے کی ہین۔ ہمین اُن سپاہیون کے واقعات یاد ہین جن کو ساتھ لیکر ڈیوک آف ولنگٹن نے بہت سے میدان مارے تھے اُن مین چندان اعتدال یا پرہیزگاری نہ تھی۔ وہ ادنے درجہ کے لوگون مین سے بہرتی کئے جاتے تھے اور ان ایام مین یہ عجیب وہم پھیلا ہوا تھا کہ سب سے زیادہ شرابی سب سے عمدہ لڑنے والا ہوتا ہے اگرچہ بعد کے تمام تجارب نے اس امر کو غلط قرار دیا ہے۔ ڈیوک آف ولنگٹن نے کئی بار اس بات کو بیان کیا تھا اور وہ اپنے سپاہیون کی بہادری کی عزت کو ان کی بدیون کی نفرت کے ساتھ پہلو بہ پہلو بیان کرتا تھا۔ لیکن وہ زمانہ اب گیا اور موجودہ زمانہ مین کوئی کمان افسر تمکو ایسا نہ ملے گا جو یہ نہ کہے کہ بہت شراب پینے والا سپاہی اخلاقی طور پر موجب ذلت اور جنگی موقع پر خطرناک ہے۔ (نعرہ خوشی) ذرا لارڈ رابرٹ کی رپورٹ جنوبی افریقہ کی جنگ مین سپاہیون کے متعلق پڑھو وہان انہین مجبوراً بہی اور خوشی سے بہی شراب سے پرہیز رکہنا پڑا کیونکہ شراب ملتا ہی نہ تہا اور باوجود اس کے انہون نے مردانہ اور شریفانہ کارروائیان کین ملکہ انکی دلچسپی پر لارڈ رابرٹ نے کہا کہ مجھے خطرہ ہے کہ جب اعلیٰ درجہ کے یہ مرد میدان تھے اب ویسے ہند مین گئے

کیونکہ وطن مین شراب پینے کے لئے بہت سی ترغیب انہین مجبور کرتی تہی۔ پس اب ہم ایک ایسے زمانہ مین آگئے ہین جس مین ہر ایک اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ پرہیز رکہنے والا سپاہی شرابی سے بہتر ہے اور اوسط درجہ کا شرابی سخت شرابی سے بہتر ہے اور ..... **بالکل نہ پینے والا سب سے بہتر ہے**۔ (نعرہ خوشی) اس امر سے تو کوئی انکار نہین کر سکتا لیکن صاحبان ہمین یہان بس نہین کرنی چاہئے۔ یہان تک تو صرف لفظی باتین تہین اب انکو حقیقی واقعات پر لگانا چاہئے۔ افلاطون کے امثال کو پڑہ کر خوش ہو لینا اور رٹتے ہی مین سمجہ لینا کہ ہم اپنا کام کر چکے کچہ فائدہ نہین رکہتا۔ پلیٹ فارم پر کہڑے ہو کر صرف تقریر کرنا کہ اب ہماری فوج جنگ بلکلاوہ یا جنگ واٹرلو کے ایام سے بہتر ہے اور اسی کو اپنے مقصد کا انجام سمجہ لینا کچہ مفید نہ ہوگا۔ نہ جرگ کے اور نہ کسی اور مقام کے سپاہیون کے لئے یہ بات مفید ثابت ہوگی کہ ان عمدہ خیالات پر خوشی کے نعرے مارے جائین اور بعد مین ان ساری تقریرون کو نہایت فیاضی کے ساتہ رجمنٹ کے شراب خانہ کے خم مین ڈبو دیا جاوے۔ (نعرہ خوشی) پس ہمین واقعات کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور صرف خیالات کے ساتہ یا نقشون کے ساتہ اپنے آپ کو دہوکا نہین دینا چاہئے کیونکہ اگر کوئی بات خیالات سے بڑہکر غلط ہو سکتی ہے تو وہ نقشون کے ہندسے ہین۔ پس مین صرف اتنے پر کہ گذشتہ تاریخ کی نسبت اب بہتر حال ہے یہ نہین کہہ سکتا کہ اب سب کچہ درست ہے اور نہ مین مجرمون اور اردلیون کے کمرون کے نقشجات کا کچہ حوالہ دینا چاہتا ہون تاکہ ایسا نہ ہو کہ صرف نقشون کو دیکہ کر خوش ہو جاؤن اور سمجہ لون کہ ہمنے لڑائی جیت لی ہے مجرمون کے نقشے نہ تو کافی ہو سکتے ہین اور نہ وہ غلطیون سے خالی ہین اور وہ کمان افسر بے وقوف ہوگا جو صرف نقشون کی صفائی پر بہروسہ کر کے یہ کہہ دے کہ اب شراب بہت نہین پی جاتی ہمین تسلیم کر لینا چاہئے اور اس انجمن کو بہی چاہئے کہ اس بات کو تسلیم کرے کہ اگرچہ شراب کے سبب سے جرم اب کم ہوتا ہے تاہم مین خیال کرتا ہون کہ یہ بہت زیادہ ہے اور اگرچہ شرابی اور بدانتظام تہوڑے ہین تاہم چاہئے کہ اور بہی تہوڑے ہون اور کہ اب بہی رجمنٹون مین ایک بڑی تعداد ایسے آدمیون کی موجود ہے جو کہ عادتاً سخت شرابی

ہین۔ اگرچہ اُن سے کوئی جرم صادر نہ ہوا ہو اور اگرچہ وہ حد سے باہر نہ ہو گئے ہون تاہم
وہ حد پر پہنچ چکے ہین۔ اسکلے دن مجھے ایک انگریزی فوج کا نقشہ دکھایا گیا جسمین یہ لکھا تھا
کہ صرف ایک رجمنٹ مین ایک مہینہ کے اندر (۲۰۸۰) دو ہزار اسی من شراب پیا گیا ہے
اور اس رجمنٹ مین بیارون اور نہ پینے والون کے سوائے کل ۸۰۰ آدمی ہین اِس سے
یہ اوسط نکلی کہ ہر ایک آدمی ہر روز قریبًا تین سیر شراب پیتا ہے اور اگر ان مین بعض آدمی تھوڑا
پینے والے ہونگے تو پھر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ بہت پینے والے کس کثرت سے پیتے ہونگے
اس انجمن کو چاہئے کہ ایسے آدمیون کو اپنے مین ملائے۔ ہمین صرف یہی نہین چاہئے کہ جرم
کے روکنے کی خاطر سخت شراب خوری کو بند کردین بلکہ ہمارا یہ منشاء ہے کہ ایسی شراب خوری
کو بھی روکا جائے جس سے جسمانی اور اخلاقی قوی کو نقصان پہونچتا ہے۔ مین یقین کرتا
ہون کہ اگر ہر ایک کمان افسر کو یہ کہا جائے کہ تمہاری حکومت تمہاری رجمنٹ کی پرہیزگاری
سے جانچی جائیگی اور شراب خانہ کی رونق ایک خراب کرنیل کی نشانی ہوگی تو اس سے بہت
فائدہ ہوگا۔ اور مین یہ تجویز ین کمانڈر ان چیف کے آگے باادب پیش کرتا ہون۔

اب صرف ایک اور امر باقی ہے جس کی طرف مین اس انجمن کو توجہ دلانا چاہتا ہون
اور وہ ایک زیادہ وسیع خیالات کی بات ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم سب کو برٹش تاج کے
نائب یعنے وائسرائے ہند سے لیکر ایک معمولی سپاہی تک۔۔ کس طرح اپنا رویہ رکھنا
چاہئے۔ ہم سب کو چاہئے کہ اپنے وطن کی خاطر ایک نمونہ قایم کرین جو آدمی نیک نمونہ قائم
کرتا ہے وہ اپنے فرض کو ادا کرتا ہے۔ لیکن شرابی کیا نمونہ قائم کرے اور کونسا نمونہ وہ قائم
کرسکتا ہے وہ جو شراب کی عادت کو پاؤن کے نیچے کچل ڈالنے کی بجائے اُسکے آگے گرجاتا
ہے وہ کیا نمونہ قائم کریگا۔ اس موقع پر یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ دیسی سپاہی بھی شراب
پیتے ہین کیونکہ ایک کا گناہ کرنا دوسرے کے واسطے موجب معذرت نہین ٹھہرسکتا۔"

اب اس تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ عیسائی قوم مین شراب نے بڑی بڑی خرابیان پیدا
کی ہین اور بڑی بڑی مجرمانہ حرکات ظہور مین آئی ہین لیکن تمام گناہون کا منبع اور مبدء

مسیح کی تعلیم اور اسکے اپنے حالات ہین۔ جس شخص کے نمونہ کو دیکھ کر پرہیزگاری مین لوگون نے ترقی کرنا تہا جب کہ وہی خود شراب کا مرتکب ہوا۔ پہر ان بیجا حرکات مین اورون کا کیا گناہ ہے اور جس حالت مین مسیحی لوگ یقینًا جانتے ہین کہ ہمارا رہبر اور ہادی شراب پینے کا شائق تہا بلکہ عشاء ربانی سے اس نے شراب خواری کو دین کی جزو ٹہرا دیا تہا تو اس صورت مین کسی دوسرے کی تقریر سے ان پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اگر ایسی سیچون کے وقت ایک آیت بہی شراب کے حرام ہونے پر پیش ہو سکے جس کے نہ ملنے کا ہر ایک پرہیزگاری کے واعظ کو افسوس ہوگا تو ان سیچون مین سچائی کی روح پڑ جائے اور دلون پر ان کا فوق العادت اثر ہو لیکن جو لوگ جو عیسائی کہلاتے اور انجیل شریف پر فدا ہین جبکہ وہ شراب خوری کی انجیل مین ممانعت نہین پاتے بلکہ حضرت مسیح کو جس سے وہ پیار کرتے ہین خود اس کا مرتکب دیکہتے ہین تو کیونکر وہ شراب سے رک سکتے ہین انسان بالطبع اپنے ہادی اور پیشوا کی پیروی کرتا ہے اور اسکے نمونہ پر چلتا ہے پہر جبکہ مسیح نے شراب سے بچنے کا نمونہ نہین دکہلایا اور اسی وجہ سے اس کو کہاؤ پیو کہا گیا تو کیونکر عیسائیون کو شراب چہوڑنے کی طاقت مل سکتی ہے اب ہزار کوشش کرو بے فائدہ اور ہزار سعی کر ڈالا حاصل کیونکہ آپ لوگون کے پیشوا کی زندگی مین اس قسم کی پرہیزگاری اور معصومیت نہین۔ ہم قبول کرتے ہین کہ عیسائی قوم کی عصمت کو اس خانہ خراب شراب نے قوت غضبیہ اور شہویہ کے اشتعال دینے سے بڑا نقصان پہنچایا ہے لیکن ہم قبول نہین کر سکتے کہ عیسائیت کے دائرہ مین رہ کر ہر ایک طبیعت اور فطرت کا آدمی شراب سے کامل پرہیز کر سکتا ہے الا شاذ و نادر جو معدوم کے حکم مین ہے۔

ہمین افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شراب کی اباحت نے انجیل کی تمام اخلاقی تعلیم کو بیکار کر دیا ہے مثلًا یہ سچ ہے کہ یہ فقرہ اپنی ظاہری صورت مین بہت عمدہ ہے کہ شر کا مقابلہ نکر اور اگر کوئی شخص تیری دائین گال پر طمانچہ مارے تو تو دوسری بہی پہیر دے۔ لیکن ہم پوچہتے ہین کہ ایک شراب خوار آدمی اس حکم کا پابند رہ سکتا ہے؟ کیا وہ ایک دانت نکالنے سے غصہ مین اگر چار دانت نہین نکال دیگا؟ ایسا ہی انجیل کا یہ فقرہ کہ جو شخص بیگانہ عورت کو شہوت کی

شراب کی اباحت کا انجیل کی اخلاقی تعلیم پر اثر

نظر سے دیکھتا ہے وہ دل میں اس سے زنا کر چکا۔ یہ دیکھنے میں تو اچھا ہے لیکن عقلمندون
میں سے کون ہے جو اس بات کو قبول کرے کہ ایک مے خوار آدمی جب نشے سے بدمست ہو
اور شہوت غالب اور نفس طالب ہو تو وہ ایسی حالت میں اپنی نظر پاک رکھ سکتا ہے نہیں
بلکہ میں سچ سچ کہتا ہون کہ وہ نہ صرف صلح سے بدکاری میں مبتلا ہوگا بلکہ چونکہ وہ شراب سے
اندھا ہے لہذا وہ زنا بالجبر کا بھی مرتکب ہوگا۔ ایسی تعلیم جس نے گناہ سے تو منع کیا ہے لیکن
گناہ کے جو اصل موجبات ہین اُن کے بڑے چوڑے دروازے کھول دئیے ہیں وہ حقیقی نیکی
پر قائم نہین کر سکتی۔

اِس کے مقابل پر قرآن شریف نے ایک طرف تو شراب کی مذمتین بیان کر کے اور
پرہیزگاری کی دشمن ٹھہرا کر قطعی طور پر اس کو حرام کر دیا ہے اور پھر دوسری طرف آنکھ اور دل
کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ بھی تعلیم دی ہے کہ ایک بیوی کرو یا دو یا تین یا چار لیکن حرامکاری
سے اپنے تئین بچاؤ کیونکہ جو شخص اپنے تئین پاک رکھنے کے لئے چند بیویون سے نکاح کرتا ہے
وہ اِس سے اچھی حالت مین ہے جو ایک بیوی رکھتا ہے مگر اُس سے موافقت نہین رکھتا اور
حرام کاری مین پڑتا یا ہمیشہ اپنی نظر ناپاک رکھتا ہے۔ جو شخص شراب نہین پیتا اور پھر ضرورت محسوس
کر کے ایک بیوی کے بیمار ہونے کی حالت مین یا کسی اور وجہ سے ناقابل اور موجب نفرت ہونے
کی حالت مین دوسری بیوی نکاح مین لاتا ہے اور دونون کے حقوق کی رعایت رکھتا ہے
وہ سچا پرہیزگار ہو کر فرشتون کی طرح زمین پر چلتا ہے اِس کا یہی ثبوت کافی ہے کہ اس قسم کے
لوگ کثرت کے ساتھ پرہیزگار پاؤ گے۔ میرے نزدیک اس شخص سے بڑھکر کوئی خطرناک حالت
مین نہین ہے جو ایک طرف تو شراب پیتا ہے جو شہوتون کو اُبھارتی اور جوش دیتی ہے اور دوسری
طرف اس کی کوئی بیوی نہین ہے جس سے وہ اُن متحرک شدہ شہوتون کو محل پر استعمال کر سکے۔

اِسی وجہ سے مین اپنے سچے دل سے اپنے سید و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو
بمقابل حضرت مسیح کے بہت پیار سے دیکھتا ہون اور معصومیت کے اعلیٰ اور اکمل مقام پر پاتا
ہون کیونکہ محسن حقیقی نے جو پرہیزگاری کے اسباب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے وہ حضرت

ازدواج پر قرآن کریم کی تعلیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible]

مسیح کو عطا نہین کئے ہین - مین شریر انسانون کی طرح خواہ نخواہ کی رعائت نہین کرتا اور نہ کسی خدا کے مقدس اور راستباز پر بیہودہ حملہ کرنا چاہتا ہون - لیکن مین نے خوب غور کرکے دیکہا ہے اور جہان تک فکر کام دے سکتا ہے خوب سوچا ہے - میرے نزدیک جبکہ مسیح شراب سے پرہیز رکہنے والا نہین تہا اور کوئی اسکی بیوی بہی نہین تہی تو گو مین مانتا ہون کہ خدا نے اس کو بہی برے کامون سے بچایا - لیکن مین کیا کرون میرا تجربہ اس بات کو نہین مانتا کہ وہ عصمت مین ایسا کامل ہو سکے جیسا کہ وہ دوسرا شخص کہ جو نہ شراب پیتا ہے اور نہ حلال وجہ کی عورتون سے اسکو کچھ کمی ہے گو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مسیح کا یہ بہی ایک معجزہ تہا کہ باوجود شراب پینے اور باوجود کسی بیوی کے نہ ہونے کے پہر بہی وہ پرہیزگاری پر قائم رہا - لیکن جب مین دیکہتا ہون کہ شریر دشمنون نے انہی واقعات کو مدنظر رکہہ کر مسیح پر یہہ الزام لگائے ہین کہ کیون اس نے مریم نام ایک کنجری کو یہہ موقع دیا کہ اس نے اس کو چہوا اور اسکے سر پر اپنے ہاتہون سے تیل ملا اور پیرون کو اپنے بالون سے پونچہا اور کیون اس نے ایک دوسری عورت کو جو فاحشہ کرکے مشہور تہی جسکا نام بہی مریم تہا ہمیشہ اپنے پاس رہنے دیا - تو مجہے خیال آتا ہے کہ کاش ایسے معجزہ سے مسیح اپنے تئین بچاتا تو اچہا ہوتا - مسیح کا یہ فرض تہا کہ ایسی عورتون کو جو حرامکاریون مین شہرت پا چکی تہین اپنے پاس سے درمع کرکے حواریون میں ایک نیک نمونہ قائم کرتا - اب دشمنون کا یہی تو اعتراض ہے کہ اس نے ایک فرض کے ادا کرنے مین اسی وجہ سے کمزوری دکہلائی کہ وہ شراب کا عادی اور نعوذ باللہ اسکے شہوت انگیز جذبات مین گرفتار تہا - ایسا اعتراض کرنے والے صرف یہودی ہی نہین بلکہ وہ بہی ہین جو عیسائی قوم مین سے ہین اور نہایت بیقیدی سے ایسے اعتراض مسیح کے چال چلن پر کرکے پہر ان رسالون کو نہ صرف لنڈن کے بازارون مین تقسیم کرتے بلکہ ہندوستان اور دوسرے ملکون مین بہی شایع کرتے ہین -

مین دیکہتا ہون کہ اب انیس سو برس کے بعد عیسائی صاحبون کو محسوس ہوا ہے کہ شراب پینا ایسا گناہ ہے جو اخلاق کو بگاڑتا اور پرہیزگاری کا ستیاناس کرتا ہے اور ان کے جنٹلمین اس کوشش مین ہین کہ اس بدعات کا اپنی قوم مین سے استیصال کرین - لیکن میرے خیال مین

ایسی کوشش کرنا مسیح سے آگے قدم رکھنا ہے یا ایک نئی انجیل بنانا۔ مین دیکھتا ہون کہ وہ سبق جو
زمانہ دراز کی شراب خواری نے عیسائی صاحبون کو دیا ہے اور وہ مشکلات جو ان کو پیش آئی
ہین وہ قرآن شریف کی تعلیم کی طرف ان کو کھینچ رہی ہین۔ مجھے اس سے تعجب آتا ہے کہ جو شراب
خواری کا خوفناک نقشہ لارڈ کرزن نے اپنی اسپیچ مین کھینچا ہے وہی نقشہ نہایت موثر الفاظ مین
قرآن شریف مین ہم پاتے ہین لیکن فرق اتنا ہے کہ قرآنی نقشہ تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے
سکھایا اور اس سپیچ کا نقشہ لارڈ کرزن کو زمانہ نے اور خرابیون کے مشاہدہ نے بتایا۔ لارڈ کرزن
نہایت مدبر اور اصلاح کے کامون مین سرگرم معلوم ہوتے ہین اور انکی سپیچ مین گورنمنٹ اور
قوم کی ہمدردی کی روح موجود ہے اگر ان کے لئے ممکن ہوتا تو وہ ایسی موثر سپیچ مین ضرور کوئی
انجیل کی آیت بھی یاد دلاتے اور اگر یہ سپیچ کسی افسر مسلمان کی طرف سے ہوتی تو وہ ضرور قرآنی آیات
سے دکھلاتا کہ کس قدر خدا شراب پینے والون پر ناراض ہے۔ بہر حال غنیمت ہے کہ ایسے
بیدار مغز اعلیٰ افسر گورنمنٹ اور رعایا کے خیر خواہ نے تسلیم کر لیا ہے کہ درحقیقت شراب
مجرمانہ حرکات کی موجب ہوتی ہے اور اخلاقی اور روحانی قوے پر بہت برا اثر ڈالتی ہے۔

پس اس سے یہہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اخلاقی تعلیم بے فائدہ ہے جس مین شراب
کی ممانعت نہین۔ شراب خورون کو عفو اور درگذر کی تعلیم کرنا اور شہوت کی نظر سے
روکنا اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے ہم ایک شخص کو ایک دوا سے بیہوش کر دین
اور پھر اس سے ہوشمندون کے کام لینا چاہین۔ نبی کے لئے اہم امر یہ ہوتا ہے کہ وہ
گناہون کے اصل اسباب اور موجبات معلوم کر کے ان کے دور کرنے کے لئے کوشش
کرے اور جب وہ دور ہو جائین گے۔ تو خود گناہ کا سیلاب رک جائے گا۔ سو قرآن اور انجیل
مین یہ فرق ہے کہ انجیل نے تو گناہ کے علل اور اسباب سے نظر اندازی کر کے محض چند
اخلاقی فقرون کے بولنے سے لوگون کو خوش کرنا چاہا ہے اور قرآن نے حکیم حاذق اور
سچے ہمدرد کی طرح ان علل اور اسباب اور موجبات کو درمیان سے اٹھانا چاہا ہے جو اخلاقی
خباثت کو پیدا کرتے ہین۔ پس اس جگہ ان لوگون کو غور کرنا چاہئے جو خواہ نخواہ انجیلی تعلیم

پر فخر کرتے اور اخلاقی خزانہ کی اس کو کنجی سمجھتے ہین - ہم سچ سچ کہتے ہین کہ انجیلی تعلیم نے شراب کو حلال اور مباح کرکے اخلاقی حالات کو بڑا نقصان پہنچایا ہے - رحم - انصاف راستبازی - پرہیزگاری - جو کچھ عمدہ صفتین ہین اُن سب کی شراب دشمن ہے - پھر جب تک ایک گھر مین دشمن موجود ہے کیونکر توقع ہوسکتی ہے کہ اُس گھر والے اُس دشمن کے حملے سے بچ سکین -

(باقی آئندہ)